

فرقہ پرستی کا حاتمہ

کیونکر ممکن ہے؟



پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ادارۃ منہاج القرآن

ٹاڈل ٹاؤن - لاہور

4188/2

فرقہ پرستی کا خاتمہ

کیونکر ممکن ہے؟



پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری



ادارۃ منہاج القرآن

۳۶۵- ایم ماڈل ٹاؤن - لاہور

87479 جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

~~87479~~

نام کتاب _____ فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟
خطبات _____ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین _____ جاوید القادری، ضیاء اللہ نیئر
اشاعت بار اول _____ جنوری ۱۹۸۵ء
تعداد _____ ۲ ہزار
اشاعت بار دوم _____ فروری ۱۹۸۶ء
تعداد _____ ۳ ہزار
طابع _____ المطبعة العربیہ، لاہور
ٹائٹل _____ یوسف نظامی
قیمت _____

Rs 1500

نوٹ: پروفیسر صاحب کی تمام تصانیف اور خطابات و تقاریر کے ریکارڈ شدہ کیسٹوں سے حاصل ہونیوالی جملہ آمدنی ان کی طرف سے ہمیشہ کے لئے ادارہ منہاج القرآن کے لئے وقف ہے۔

جاوید القادری
ناظم شعبہ نشر و اشاعت



مَوْلَانِي صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَىٰ حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ
مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ وَالْقَلْبَيْنِ
وَالْفَرِيقَيْنِ مِنْ عَرَبٍ وَمِنْ عَجَمٍ

صَلَّىٰ اللَّهُ عَلَىٰ نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

حکومت پنجاب کے مراسلہ نمبر

NO. S-O. (P.I.) 4-1/80. P-IV. 31st July 1984

کے مطابق ہماری تمام کتب پنجاب کے سکولوں اور کالجوں کی لائبریریوں کیلئے
سرکاری طور پر منظور شدہ ہیں۔

فجر





- ۳۸ اسلامی معاشرے کے قیام کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری
- ۳۹ انفرادی ذمہ داری
- ۴۰ اجتماعی ذمہ داری
- ۴۱ فلسفہ اعتصام اور تصور وحدت
- ۴۲ بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
- ۴۳ تفرقہ پروری کی موت کفر کی موت ہے
- ۴۴ فرقہ بندی زیاں کاری ہے
- ۴۵ زوالِ خلافتِ بغداد - ایک تاریخی جائزہ
- ۴۶ اُمتِ مصطفویٰ کے لیے موثر بنائے اتحاد کیا ہے؟
- ۴۸ تفرقہ بازوں کے ساتھ انقطاعِ تعلق کا حکم
- ۴۹ تفرقہ پروری نگاہِ نبوت میں
- ۵۱ ملی شیرازہ بندی کی تعلیم
- ۵۲ دورِ جاہلیت اور تفرقہ پروری
- ۵۳ بعثتِ محمدی اور معجزہ وحدت و اخوت
- ۵۴ ایک ضروری وضاحت
- ۵۵ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات موضوع اختلاف کیوں؟

اتحاد و اخوت کے فروغ اور فرقہ پرستی کے خاتمے کا ممکنہ لائحہ عمل

- ۵۶
- ۵۷ - عقائد و اعمال کے مشترک پہلو اور نبیائے اتحاد
- ۵۹ سب سے پہلی اسلامی ریاست کا قیام
- ۶۳ - ۲ - قنیت اور غیر تنقیدی اسلوب تبلیغ
- ۶۵ دعوت و تبلیغ کے موضوعات
- ۶۵ (۱) اعتقادی زندگی اصلاح طلب ہے
- ۶۷ (ب) عملی زندگی اصلاح طلب ہے
- ۶۷ (ج) اخلاقی زندگی اصلاح طلب ہے
- ۶۸ اسلام کی حکیمانہ تعلیم
- ۷۲ کلمہ گو کو بلا جواز شرعی کافر نہ کہو
- ۷۲ مخلوق میں صرف حضور رسالتا ہے ہی کامل مخبر صادق ہیں
- ۷۹ - ۳ - حقیقی رواداری کا عملی مظاہرہ اور عدم اکراہ کا فرائض فلسفہ
- ۸۲ مقصد بخت نبویؐ
- ۸۵ اختلاف رائے کا بنیادی حق
- ۸۹ - ۴ - دینی تعلیم کے لیے مشترکہ اداروں کا قیام
- ۹۳ - ۵ - علماء کے لیے جدید عصری تعلیم کا انتظام
- ۹۴ جداگانہ نظام تعلیم کے مضر اثرات
- ۹۷ جدید تعلیم کی ناگزیریت
- ۹۸ معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری
- ۹۹ اجتہاد کی عملی ضرورت

- ۱۰۱ - تہذیب اخلاق کے لیے مؤثر روحانی تربیت کا نظام
- ۱۰۵ - فرقہ پرستانہ سرگرمیوں کے خاتمے کے لیے چند قانونی اقدامات
- ۱۰۷ - منافقانہ اور خفیہ فرقہ پرستی کی حوصلہ شکنی
- ۱۰۹ - منافقانہ فرقہ پرستی کا خاتمہ
- ۱۰۹ - فرقہ پرستانہ تقریروں کا میدان
- ۱۱۰ - اصلاح کے پوسے میں فساد انگیزی
- ۱۱۱ - ہم نہاد مصلحین کے نئے تزویراتی حربے
- ۱۱۳ - اُمت کا سوادِ اعظم گمراہ نہیں ہوتا
- ۱۱۶ - اسلام کی روح شوراہیت
- ۱۱۸ - تاریخ اسلام کے شواہد و نظائر
- ۱۱۹ - بعض مبلغین کے ظاہر و باطن کا تضاد اور ارشادِ نبویؐ
- ۱۲۰ - ایک اہم نکتہ
- ۱۲۱ - تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء پر مشتمل سپریم کونسل کا قیام
- ۱۲۳ - ہنگامی نزاعات کے حل کیلئے سرکاری سطح پر مستقل مصالحتی کمیشن کا قیام
- ۱۲۴ - مذہبی سطح پر منفی اور تخریبی سرگرمیوں کے خلاف عبرتناک تعزیرات کا نفاذ
- ۱۲۹ - ایک غلط فہمی کا ازالہ
- ۱۲۲ - اختلاف و افتراق میں فرق
- ۱۳۴ - ایک اہم غور طلب پہلو
- ۱۳۵ - حکمت کیلئے غور طلب مسئلہ
- ۱۳۵ - ۱- داخلی پہلو
- ۱۳۶ - ۲- خارجی پہلو



نابغہ عصر





ایک شخصیت جس نے تمام متداولہ دینی علوم و فنون مثلاً قرآن و حدیث، فقہ و اصول، منطق و فلسفہ، تصوف و طریقت، طب مغربی اور طب مشرقی اور عربی فنی اور ادب کی تکمیل کے لیے دور دراز کے سفر کیے، اسے تحصیل علم و عنان کا ذوق جھنگ سے لکھنؤ، حیدرآباد دکن، دہلی، شام، شرق اردن، بغداد اور مدینہ منورہ تک لے گیا۔ اس کے دل و دماغ پر اُمت مسلمہ کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی زوال و ابتلا کا گہرا اثر تھا۔ اس کی دل خواہش تھی کہ اُمت کے عروج و برتری میں نئی زندگی پیدا ہو، اسلام کا اخلاقی و روحانی نظام دنیا میں برگ و باد پیدا کرے اور قرآنی تعلیمات کے ذریعے فکری و عملی انقلاب کی ایسی راہ ہموار کی جائے جس کے اثرات امن و برکت لائیں۔

اس شخصیت نے جی منفعیت کو ذاتی معاملات پر ہمیشہ مقدم رکھا تھا اور خواہشات کا ساتھ ان ہمیشہ اجتماعی چھوٹا کے لیے مانا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کو دین کی تبلیغ اور انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ جب اس عظیم شخصیت نے مقام طنزم (خانہ کعبہ) پر کھڑے ہو کر زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی ذات کے حوالے سے کچھ مانگا تو اس میں بھی دنیا سے اسلام ہی کی بستی کا خیال کلا فرمایا تھا۔ اس نے بارگاہِ خلافتِ مدنی میں اپنا درد پیش کیا تو اس کے علاج میں بھی مسلمانوں کے اجتماعی دکھوں کا مداوا چاہا۔ اس نے اپنی خواہش کو زبان دی تو وہ بھی اسلام ہی کے اجار و فروغ کی دُعا بن گئی۔ یہ تھے حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادیانی جنہیں ۱۹۴۸ء میں سرزمینِ بغداد و نجف کی زیارت کے بعد حرمِ کعبہ اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کا پہلا موقع نصیب ہوا تھا۔ رات کے پچھلے پہر میں طوافِ کعبہ کے بعد مقامِ طنزم پر خلفِ کعبہ کو تھمتے ہوئے آنسوؤں کی برسات میں ان کی زبان سے یہ دُعا نکل رہی تھی۔

’باری تعالیٰ ایسا بچہ عطا کر جو تیری اور تیرے دین کی معرفت کا حامل ہو جو دنیا اور آخرت میں تیری بے پناہ عطا و رضا کا حقدار ٹھہرے اور فیضانِ رسالتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہرہ ور ہو کر دُنیا سے اسلام میں ایسے علمی و فکری اور اخلاقی و روحانی انقلاب کا داعی ہو جس سے ایک عالم متحج ہو سکے۔‘

دل کی گہرائیوں سے برآمد ہونے والی اس دعا کے نتیجے میں خود فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طاہر کے تولد کی بشارت دی حضور کا کرم تو ان پر پہلی بار نہیں ہوا تھا مگر کرم کی یہ صورت بے نظیر تھی کہ قبولیت دعا کی خوشخبری دی اور نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تجویز فرمایا۔ اس لطف و عنایت پر سائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ "طاہر جو نبی سن شور کو پہنچے گا اسے آپ کی خدمت پیش کر دوں گا۔"

حضرت علامہ فرید الدین قادریؒ ۱۹۱۸ء میں جھنگ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پہلے جھنگ میں اور بعد میں سیالکوٹ میں حاصل کی۔ دین و ادب اور طب کی ساری تعلیم لکھنؤ میں حاصل کی۔ طبیہ کالج لکھنؤ میں شفا الملک حکیم عبدالحکیم لکھنوی اور دہلی میں حکیم نابینا انصاری سے تلمذ کیا، لکھنؤ نیدر آباد دکن اور دہلی سے طب یونانی میں تخصص کیا۔ لکھنؤ میں ہی شکیل مینائی سے اردو ادب اور شاعری میں استفادہ کرتے رہے۔ اردوئی علوم کی تکمیل دارالعلوم فرنگی محل لکھنؤ سے کی۔

والد گرامی

ڈاکٹر صاحب عدیم المثال خطیب بلند پایہ عالم دین اور جلیل القدر طبیب تھے تصوف اور روحانیت سے خصوصی شغف تھا۔ بغداد شریف میں نقیب الاشرف سیدنا شیخ ابراہیم سیف الدین انگلانیؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ برصغیر میں فقیر اعظم مولانا محمد یوسف سیالکوٹی، شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد محدث لاہوری اور حضرت مولانا ابوبکر کات سید احمد قادری رحمہم اللہ تعالیٰ سے اکتساب علم کیا۔ علاوہ ازیں بغداد اور دمشق (شام) کے جلیل القدر علماء سے بھی کسب فیض کیا۔ بالخصوص شیخ محمد الکی الکتانیؒ رئیس رابطہ علماء شام سے شیخ اکبر کی فصوص، حکم اور فتوحات مجتہ کا درس لیا۔ مدینہ طیبہ میں مولانا عبدشکور المہاجر المدنیؒ سے آپ کو حدیث میں خصوصی تلمذ تھا۔ آپ کی وفات ۲ نومبر ۱۹۷۲ء کو جھنگ صدر میں ہوئی۔

علامہ فرید الدین قادریؒ کو مقام مطہر پر جو بشارت دی گئی تھی ۱۹ فروری ۱۹۵۱ء کو اس کی عملی شکل نے جنم لیا آپ کے ہاں رطوبت پیدا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "ظاہر" فرمایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا اضافہ کر کے محمد طاہر نام رکھا۔

محمد طاہر نے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز بیکر ڈارٹ سکول جھنگ صدف سے کیا۔ سکول کالج اور یونیورسٹی کے تمام امتحانات اعلیٰ فرسٹ ڈویژن میں پاس کئے۔ ایم اے (اسلامیات) میں پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا تو علامہ فرید الدین قادری نے خصوصی توجہات کے ساتھ بے پناہ شفقت کے زیر اثر تربیت کی۔ ۱۹۷۳ء میں تمام دینی اور دنیوی علوم کی تکمیل ہو گئی۔ تربیت کی بنیادی جہتیں مکمل ہو گئیں تو ۲ نومبر ۱۹۷۳ء کو والد گرامی کا وصال ہو گیا۔ محمد طاہر جو ۱۹۶۶ء میں حضرت سیدنا شیخ طاہر علاؤ الدین انگلانی قادری مدظلہ سے روحانی نسبت کے باعث محمد طاہر القادری ہو گئے تھے، ان کی عملی زندگی ان کے والد گرامی نزدیک ہے۔

تعلیمی زندگی

جناب محمد طاہر قادری نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (اسلامیات) کے بعد ایل ایل بی کیا۔ پنجاب پبلک سروس کمیشن سے منتخب ہو کر ۱۹۷۳ء کے اواخر میں گورنمنٹ کالج میسینہ خیل (ضلع میانوالی) میں اسلامیات کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ اس سے پہلے گورنمنٹ کالج جھنگ میں چھ ماہ تک علوم اسلامیہ کے عارضی استاد کی حیثیت سے پڑھاتے رہے تھے۔

دو چھوٹے بھائیوں اور بمبیرگان کی موجودگی میں تمام گھریلو ذمہ داریاں آپ کے سر اُپڑی تھیں۔ آپ نے جھنگ یا گرد نواح میں ٹرانسفر کی کوشش کی تو اس مقصد کے لیے رشوت طلب کی گئی جو آپ کے مزاج کے منافی اور تربیت کے خلاف تھی۔ چنانچہ آپ محکمہ تعلیم کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور دو سال تک ایڈووکیٹ کی حیثیت سے جھنگ میں پریکٹس کرتے رہے۔

محترم محمد طاہر قادری شریع سے ہی جس مقصد کو متابع حیات سمجھتے تھے وہ ایسا ہمہ گیر اسلامی انقلاب ہے جس سے پورا عالم اسلام متحد اور منظم ہو کر مسلم بلاک کی صورت اختیار کرے اور حق کی خاطر طاغوتی اور استعمالی طاقتوں سے ٹکڑے کر اپنا کھویا ہوا دار بجالا کر اسکے۔ آپ کے چھوٹے بھائی محمد جلیوید قادری نے قرآن پاک پر حلف اٹھایا تھا کہ اس مقصد میں اپنے بھائی کے دست و بازو نہیں گے۔ مگر انہوں نے اپنے جلیل القدر والد کے ارتحال کے ڈیڑھ سال بعد بطور ایسوسی ایٹ انجینئر اپنی تعلیم مکمل کی ہی تھی کینتے سے پہلے ان کا وصال ہو گیا۔ محمد طاہر قادری آج تک راہ حق کی منزلوں میں بادیہ پیمانی کے دوران اس پر عزم بھائی کی ٹی محسوس کرتے ہیں۔

تمام گھریلو معاملات اور بمبیرگان کی شادیوں سے فراغت کے بعد اپریل ۱۹۷۸ء میں آپ اسلامک لانس لیکچرار کے طور پر یونیورسٹی لڈ کالج لاہور کے ساتھ منسلک ہو گئے اور طلباء کو اپنی تعداد و صلاحیتوں اور علم و دانش سے مستفید کرنے لگے۔ آپ کی باقاعدہ تیسری تھیل کا آخری مرحلہ اسلامک لاد میں ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) تھا جس کا تحقیقی کام اپنے "PUNISHMENTS IN ISLAM, THEIR CLASSIFICATION AND PHILOSOPHY"

کے زیر عنوان پنجاب یونیورسٹی کو پیش کیا۔ جس پر یونیورسٹی نے اپریل ۱۹۸۶ء میں آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دے دی ہے۔

جناب محمد طاہر قادری انٹیمو جماعت کے طالب علم تھے کہ والدین کی میت میں بیچ بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ حرمین شریفین کی یہ حاضری مولیٰ حاضری نہ تھی بلکہ سرکار دو جہاں نے خود ان کے والد گرامی کو خواب میں حکم دیا تھا کہ طاہر کو جاسے پاس لاؤ۔ اس ارشاد کی تعمیل میں ۱۹۶۳ء میں انیس بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا گیا اور اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں خود بلا کر اپنے لطف و کرم اور خصوصی فیضان سے نوازا۔

محمد طاہر نامی اس تیرہ سالہ نوجوان کی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ حاضری کس قدر عجیب تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلاوے کا مقصد پورا ہونے کی بشارت بھی خود ہی مرحمت فرمادی۔

”محمد طاہر کو دودھ کا بھرا ہوا ایک شکا عطا کیا اور اسے ہر ایک میں تقسیم کرنے کا حکم صادر فرمایا“
یہ حاضری کی مکمل قبولیت اور اپنی خصوصی عنایات و نوازشات کی خوشخبری تھی۔

دینی تعلیم
مدینہ طیبہ کے زائذ قیام میں جناب محمد طاہر القادری کو عالم اسلام کی معروف روحانی شخصیت جناب مولانا ضیاء الدین قادری مہاجر مدنی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں تبرکاً زانوئے تلمذتہ کرنے کا موقع ملا اور وہیں سے آپ کی دینی تعلیم کا آغاز ہوا۔ آپ نے صرف ’نور‘ فقہ، ’اصول فقہ‘، ’منطق‘، ’فلسفہ‘، ’معانی‘ اور ’عربی‘ ادب کی ابتدائی کتب اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ اس کے بعد جامعہ قطیبیہ رضویہ جھنگ میں ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۰ء تک مختلف اوقات میں استاذ العلماء حضرت علامہ عبدالرشید رضوی مدظلہ سے اکتسابِ علم کیا۔ مولانا عبدالرشید رضوی دوپہر اور عصر کے منصرفوں کے ساتھ صبح تین بجے سے رات گیارہ بجے تک آپ کو پڑھاتے تھے۔ محمد طاہر القادری کی تعلیم و تدریس کے دوران وہ تمام دوسرے طلبہ کے اسباق معطل اور دیگر مصروفیات ترک کر دیتے تھے۔ روزانہ ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱ فنون کے اسباق پڑھتے تھے۔ موقوف علیہ تک ’فقہ‘، ’حدیث‘، ’تفسیر‘ اور ’معتولات‘ و ’منقولات‘ کے جلد فنون میں درس نظامی کی تعلیم کے بعد علوم دینیہ متداولہ کی تکمیل اور دورہ حدیث آپ نے اپنے والدِ معظم سے کیا۔ درسیات کے جلد فنون انہی دونوں گرامی قدر اساتذہ سے پڑھے۔ مدینہ طیبہ میں کے قیام کے دوران میں مدرسہ العلوم الشرعیہ میں والدِ گرامی کی معرفت بھی کچھ اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ بعد ازاں لاہور کے زائذ قیام میں حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری کے درس حدیث میں بھی شریک ہوتے رہے۔ پاکستان کے نامور عالم دین، ’غزالی‘ دوران حضرت سید احمد سعید گامھی مدظلہ نے پروفیسر صاحب کی دینی قابلیت اور علمی استعداد و بصیرت کے پیش نظر طریقہ تدریس پر آپ کو سند حدیث عطا کی۔ آپ نے اسلامی فلسفہ، عقائد اسلام حضرت ڈاکٹر برٹان احمد فاروقی مدظلہ سے پڑھا۔ ان سے خصوصی تلمذ اور اکتسابِ فیض نے آپ کی فکری اور نظریاتی جہتوں کے تئیں میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔

روحانی فیض
مستون استخارے کے نتیجے میں جناب محمد طاہر القادری نے حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی روحانی ہدایت پر ۱۹۶۶ء میں حضرت سیدنا شیخ طاہر علاء الدین الیگامانی القادری مدظلہ (جو سیدنا غوث اعظم کی اولادِ اطہار کے نقباءِ بندگان ہیں) سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور حضرت کی بے پایاں نوازشات اور توجہات سے اپنی روحانی تکمیل کا سامان کیا۔ آپ کو اپنے گرامی منزلت مُرشد سے جتنی یقینت ہے اُس کے مظاہرے سے آپ کے ملنے والے سنبھلی واقف ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی، علمی اور روحانی زندگی میں آپ کے شیخِ حریت مدظلہ العالی کی بے پایاں شفقت و عنایت اور خصوصی توجہات کا بڑا دخل ہے۔ بچپن سے آپ کے والدِ گرامی نے آپ کی تربیت ہی اس بیج پر کی تھی کہ باگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور سرکارِ غوثیت مآب سے آپ کا قلبی تعلق اور روحانی نسبت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جلتے چنا پختہ آپ ہمیشہ تشکر و امتنان کے طور پر اس امر کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ مجھے اپنی زندگی میں

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور لطف و احسان کے جس قدر بھی مظاہر دکھائی دیتے ہیں بلاشک و شبہ انہی نسبتوں کا حصہ ہیں۔

قومی و ملی خدمات

پنجاب یونیورسٹی لاہور سے نمسک ہونے کے بعد آپ بہت جلد یونیورسٹی سٹڈنٹس سینیٹ اور ایکڈمک کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے۔ اس طرح آپ نے ان اداروں میں بھی یونیورسٹی کے اساتذہ طلباء اور انتظامی عملے کے دلوں میں نمایاں جگہ پیدا کر لی اور بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔

اسی اثنا میں مرکزی وزارت تعلیم حکومت پاکستان نے آپ کو قومی کمیٹی برائے نصابیات اسلامی میں بطور ایکسپٹ EXPERT نامزد کیا۔ جس میں آپ تعالیٰ خدمات انجام دے رہے ہیں حکومت پاکستان نے آپ کو وفاقی شرعی عدالت پاکستان کا مشیر JURIS CONSULT بھی مقرر کیا۔ چنانچہ یہ عدالت بڑے اہم اور نازک مسائل میں آپ سے رہنمائی حاصل کر رہی ہے۔ جب وفاقی شرعی عدالت پاکستان نے ۱۹۷۹ء میں رجم کے عد ہونے سے انکار پر مبنی فیصلہ دیا تو حکومت پاکستان نے نظر ثانی کی اپیل کی۔ اس مرحلے پر پروفیسر محمد طاہر تعالٰی نے مسلسل تین دن تک اس موضوع پر نہایت مدلل بحث کی اور سینکڑوں دلائل کے ساتھ رجم کا عد ہونا ثابت کیا۔ نتیجہً وفاقی شرعی عدالت نے مورخہ ۲۰ جون ۱۹۸۲ء کو اپنا فیصلہ واپس لیتے ہوئے رجم کو عد تسلیم کر لیا۔ عدالت کا تفصیلی فیصلہ پیل ڈی ۱۹۸۳ء وفاقی شرعی عدالت صفحہ ۲۵۵ تا ۲۸۰ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

عدالت کے فاضل نوج صاحبان نے اپنے فیصلے میں متعدد مقامات پر پروفیسر صاحب کی قابل قدر معاونت پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

اسی طرح جولائی، اگست ۱۹۸۴ء میں حکومت پاکستان کے خلاف قادیانیوں کی طرف سے دائر کردہ درخواست کی سماعت کے دوران اسلام میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق اور ان کی مذہبی آزادی کی حدود کے موضوع پر قرآن سنت کے بے شمار دلائل پر مشتمل آپ کی شاندار علمی بحث بھی تاریخی اہمیت کی حامل تھی جس کے نتیجے میں وفاقی شرعی عدالت پاکستان نے قادیانیوں کی درخواست مورخہ ۲۰ جون ۱۹۸۵ء کو خارج کر دی اور فلسفہ ختم نبوت کی قانونی اہمیت روز روشن کی طرح آشکار ہو گئی۔ فاضل عدالت کے فیصلے کی تفصیلات پی ایل ڈی ۱۹۸۵ء وفاقی شرعی عدالت صفحات ۸ تا ۱۲۰ ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

مزید برآں نومبر ۱۹۸۵ء میں وفاقی شرعی عدالت پاکستان میں توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتکب کیلئے سزا کے تعین کے انتہائی نازک اور اہم قانونی مسئلے پر پروفیسر صاحب نے ۱۳ نومبر تا ۱۷ نومبر ۱۹۸۵ء مسلسل تین روز تک عدالت میں دلائل دیئے۔ جس میں آپ نے قرآن و سنت کے واضح دلائل سے یہ ثابت کیا کہ توہین رسالت کے مرتکب کی سزا موت ہے۔ اور یہ سزا بطور حد واجب ہوگی۔ توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتکاب ایسا بدترین جرم ہے جسے بالواسطہ یا بلاواسطہ ارادی یا غیر ارادی طور پر کسی صورت اور کسی ذریعے میں بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بھی اسے سزائے موت کے نفاذ سے مستثنیٰ نہیں کر سکتی۔ پروفیسر صاحب نے سینکڑوں دلائل کے ذریعے اس امر پر زور دیا کہ اسلامی ریاست کے قانون میں کوئی ایسی گنجائش نہیں رہنے دی جانی

چاہیے جس سے کسی سطح پر بھی گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان راہ پاک کے عظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں پروفیسر صاحب نے جس دل سوزی کمال وارفتگی اور عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مملو عداوت میں اپنے باطل شکن اور ایمان افروز دلائل پیش کئے ان کی یاد سے عدالت کے در و دیوار صدیوں معمور رہیں گے۔

۱۹۸۲ کے اوائل میں حکومت پاکستان نے "اپلیٹ شریعت بیج سپریم کورٹ آف پاکستان قائم کیا۔ پروفیسر محمد طاہر القادری کو اس میں بھی مشیر فقہ JURIS CONSULT مقرر کیا گیا۔ آپ دیگر مصروفیات کے باوجود فعال ان امور میں قومی اور ملی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ کی ان قومی و ملی خدمات کے اعتراف کے طور پر کئی قومی اداروں اور تنظیموں نے آپ کو اعزازی تمغے بھی پیش کئے۔ مثلاً طبیہ کالج لاہور کی طرف سے "قرشی گولڈ میڈل" اور ادارہ ثقافت پاکستان کی طرف سے "تمغہ ثقافت وغیرہ۔ یاد رہے کہ آپ کو زماہ طالب علمی میں بھی نمایاں علمی تحیتی اور تقریری خدمات کے اعتراف میں طلائی تمغے ملتے رہے ہیں جن میں پنجاب یونیورسٹی گولڈ میڈل اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس پاکستان کی طرف سے طلائی تمغہ قائد اعظم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

یوں تو پروفیسر صاحب انڈون اور بیرون ملک عالمی سطح کی متعدد کانفرنسوں اور کانگریسوں میں شرکت کر چکے ہیں لیکن ماہ نومبر ۲۰۰۰ء میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والی ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے زیر اہتمام انٹرنیشنل قرآن کانگریس اور وفاقی حکومت کے تحت ہونے والی انٹرنیشنل سیرت کانفرنس اسلام آباد میں شرکت کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے تحت ہونے والی انٹرنیشنل قرآن کانگریس میں دنیا بھر سے دانشور اور علماء شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے اپنے انگریزی خطاب میں قرآنی تصور ہدایت (QURANIC CONCEPT OF GUIDANCE) پر گفتگو کی۔ جس سے پورے ایوان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور جب خطاب ختم ہوا تو تمام مندوبین (جن میں سے ہر شخص عالمی شہرت کا حامل دانشور تھا) والہانہ طور پر پروفیسر صاحب سے ملے انھوں نے انتہائی محبت بھرے انداز میں داد و تحسین پیش کی اور قرآن فہمی میں پاکستان کے نمایاں مقام کا اعتراف کیا قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ امریکہ سے آئے ہوئے ایک وفد کے سربراہ اور مہری معق پروفیسر عبدہ انجلی جو NORTHERN ILLINOIS UNIVERSITY میں پوسٹ گریجویٹ کے پروفیسر ہیں، پروفیسر صاحب کے پاس آئے اور انھیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں قرآن کے تصور احسان پر ایک عرصہ سے تحقیق کر رہا ہوں۔ اس سلسلہ میں میں نے عالم اسلام کے نامور علما اور محققین سے رابطہ قائم کیا ہے لیکن آج تک مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔ آج اللہ کا شکر ہے کہ آپ کے خطاب سے مجھ پر قرآن کا تصور احسان شگفت ہو گیا ہے اور میری زندگی بھر کی پیاس بجھ گئی ہے۔ یہ کہتے ہوئے موصوف نے پروفیسر صاحب کو "NORTHERN ILLINOIS UNIVERSITY" کی طرف سے نل پروفیسر شپ کی پیشکش کر دی اور کہا کہ یہ

ہمارے لیے بہت بڑا اعزاز ہوگا اگر آپ ہماری پیشکش قبول کریں۔ پروفیسر صاحب نے ان پر واضح کر دیا کہ وہ اچانک اسلام کے عالمگیر مشن کے لیے مصروف عمل ہیں لہذا وہ اندرون ملک یا بیرون ملک اس نوعیت کی کوئی مستقل پیشکش قبول نہیں کر سکتے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ پھر ایک سال کے عرصے کے لیے ہی ہمارے پاس آجیے تاکہ ہماری یونیورسٹی کو یہ اعزاز حاصل ہو جائے کہ آپ جیسے مقام و مرتبہ کا سکالر ہیاں کے شاف میں شامل رہا ہے پروفیسر صاحب نے اس پر بھی اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ ان کے مسلسل اصرار پر بالآخر یہ طے پایا کہ پروفیسر صاحب

کسی وقت مختصر دورایتے کے لیے امریکہ تشریف لے جائیں گے اور مذکورہ یونیورسٹی کے VISITING LECTURER کے طور پر بیچھریں گے۔ اس سے زیادہ وقت نکانا ممکن نہیں۔

پروفیسر محمد طاہر قادری نے ۱۹۷۶ء میں محاذِ حریت کے نام سے ایک مرکزی ادارہ منہاج القرآن کا قیام

تنظیم قائم کی۔ ان دنوں آپ جھنگ ڈسٹرکٹ کورٹ میں وکالت کر رہے تھے۔ اس تنظیم کے تحت دو سال تک سر روزہ دس قرآن نوجوانوں کی فکری اور نظریاتی تربیت اور علمی و فکری مجالس کا انعقاد ہوتا رہا اور محاذِ حریت کے چیرمین جناب محمد طاہر قادری مختلف دینی موضوعات پر خطاب فرماتے رہے۔ ۱۹۷۸ء میں محاذ کے ارکان نے فیصلہ کیا کہ قرآن و سنت پر مبنی انقلابی فکر کی وسیع تر اشاعت کے لیے قادری صاحب لاہور منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ آپ لاہور منتقل ہو کر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بطور پیکچرار منسک ہو گئے۔ کورٹ سے پشاور اور کراچی سے آزاد کشمیر تک تبلیغی دورے کئے۔ لوگوں کے دلوں کو عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لگن سے بہرہ ور کیا۔ اسلام کے احیاء کے لیے اذہان و قلوب کی زمین کو ہموار کرنا شروع کیا اور اسلام کے فکری اور عملی انقلاب کی جدوجہد کو عوام و خواص کی طلب بنادینے کی نسل بودی۔ اس ابتدائی کام کے بعد غلیظہ دین حق کی بحالی اور اُمتِ مسلمہ کے اچھا اتحاد کے لیے اسلامی انقلاب کی عالمگیر جدوجہد کی خاطر آپ نے بعض دوستوں کے تعاون سے ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو مرکزی ادارہ منہاج القرآن کی بنیاد رکھی، ہر سطح پر باطنی طاغی استحصالی قوتوں اور ان کے اثر و نفوذ کے خاتمے کے لیے لگے دو اس ادارے کا بنیادی مقصد قرار پائی۔

یہاں تہذیبِ نعت کے طور پر ایک اور حقیقت کا تذکرہ بھی خالی از حدیسی نہ ہوگا کہ مرکزی ادارہ منہاج القرآن کے سیکرٹریٹ میں جب سے دفتری کام کا آغاز ہوا ہے اس میں زیرِ مکمل لائبریری کا استفادے کا آغاز ہی عظمتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ناموسِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے سلسلے میں درق گردانی سے ہوا ہے جس کی ضرورت مذکورہ بالا دفاتی شرعی عدالت کے مقدمہ کے سلسلے میں پیش آئی اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ادارے کے قیام کا مقصد ہی عظمتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ اور عشق و اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت ہے۔ خود پروفیسر صاحب کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بھی اسی عظیم مقصد کے لیے وقف ہے۔

جب سے آپ نے لاہور اور کراچی تا پشاور پورے ملک میں اپنے دُرُوس و خطابات کے ذریعے عشق و اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ کی تحریک کا آغاز کیا ہے لاکھوں افراد کے بدلتے ہوئے حوال

دینی مجالس و مجال کی بحال ہوتی ہوئی رونقیں جذب و شوق اور کیف و مستی کی لٹتی ہوئی یادیں روشن ہونے کی طرح اس حقیقت کی کھلی تصدیق کر رہی ہیں۔ ہر آنکھ اس امر کا شاہدہ کر رہی ہے۔ ہر کان اس آواز کو سن رہا ہے اور ہر دل اس کیفیت کو محسوس کر رہا ہے۔ کوئی اس انقلاب کی آمد آمد کو پسند کرے یا ناپسند لیکن بفضلہ تعالیٰ صورت حال اب اتنی نکھر چکی ہے کہ اس واقعہ کا انکار ممکن نہیں رہا۔ بقول شخصہ :-

پتہ پتہ بڑھا بڑھا حال ہمارا جانے ہے

اندر بے عزت کا شکر ہے کہ ماضی کی اس یاد رفتہ کو تازہ کرنا بھی ادارہ منہاج القرآن ہی کا مقدر ٹھہرا۔
بے شک یہی اس کا نعرہ ہے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کرنے

دہریں اہم مسئلہ سے اجالا کرنے

سلسلہ درس قرآن ، مرکزی ادارہ منہاج القرآن کے

دینی تبلیغی اور علمی خدمات

زیر انتظام آپ نے ۱۹۸۰ء کے اواخر میں باقاعدہ سلسلہ وار درسی قرآن کا

آغاز کیا جس میں ہزاروں کی تعداد میں عوام و خواص اور اہل علم لاہور بلکہ پنجاب بھر سے شرکت کرتے ہیں۔ اس طرح قرآنی تعلیمات کا پیغام ممکنہ حد تک مخلوق خدا تک پہنچ رہا ہے ساتھ ہی منہاج القرآن کے نام سے آپ کی زیر تالیف تفسیر قرآن کی سلسلہ وار اقساط عوام میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس طرح وہ بھی اندرون ملک اور بیرون ملک شائقین کے علمی استفادہ کا باعث بن رہی ہیں۔

سلسلہ درس تصوف ، مرکزی ادارہ منہاج القرآن ہی کے زیر انتظام آپ نے ۱۹۸۳ء

میں باقاعدہ سلسلہ وار درسی تصوف کا آغاز کیا جس کے ذریعے عوام و خواص 'فرجوانانِ بخت' 'علماء و فضلاء' 'اساتذہ و مشائخ' 'تاجر، صنعتکار اور دیگر شعبہ آئے زندگی سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں افراد مستقل طور پر اپنی اخلاقی اور روحانی تربیت کا سامان کر رہے ہیں۔ اس طرح قادری صاحب کا تبلیغی و اصلاحی کام نہ صرف علمی بلکہ عملی اور روحانی اعتبار سے بھی قابل دید نتائج پیدا کر رہا ہے۔

سلسلہ خطبہ جمعہ : آپ نے جامع مسجد اتفاق کالونی "ماڈل ٹاؤن لاہور میں ۱۹۸۲ء کے

ادائل میں باقاعدگی سے سلسلہ وار خطبہ جمعہ کا آغاز کیا۔ جس کے فرائض دیکھتے ہی دیکھتے سامعین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ پنجاب اور مختلف اضلاع بلکہ پاکستان کے مختلف گوشوں سے ہزاروں افراد خطبہ جمعہ سننے اور اپنے ایمان عمل کی تازگی کا سامان حاصل کرنے کے لیے جوق درجوق آنے لگے۔ اہل ذوق کہ یہ رونق اللہ کے کرم سے مسلسل روز افزوں ہے،

اس طرح مذکورہ بالا ان تینوں مراکز سے ہزاروں فرزندانِ توحید بفضلہ تعالیٰ ایمان و استقامت، محبت و خشیت الہی، عشق و اطاعت، رسول و سوز، کیف و مستی، عبادات و معاملات کی اصلاح، تزکیہ نفس، چلائے باطن، تہذیب و اخلاق

~~87479~~ 87479

ایشاد و قربانی، اخلاص اور حسن عمل کی دولت سے خود کو بہرہ ور کر رہے ہیں۔
 کثیر تعداد میں افراد کی یہ ذہنی اور عملی تبدیلی کسی وقت ضرور انشاء اللہ معاشرے میں اسلامی اقدار کی بحالی
 کا سبب ثابت ہوگی۔ مزید برآں پاکستان ٹیلیوژن کے ذریعے ان کے درس قرآن کا ملک کے لاکھوں افراد
 تک پہنچا، ملک کے دیگر اہم اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور سرکاری وغیر سرکاری دفاتر و مراکز میں آپ کے ایمان
 پرور اور انقلاب انگیز خطابات کا سلسلہ بھی آپ کے دینی و تبلیغی مشن کا حصہ ہے۔

کراچی، پشاور، اسلام آباد اور کوئٹہ میں درس قرآن کا آغاز: اگست ۱۹۸۳ء
 سے کراچی، مئی ۱۹۸۵ء سے اسلام آباد، دسمبر ۱۹۸۵ء سے پشاور اور جولائی ۱۹۸۶ء سے کوئٹہ میں بھی سلسلہ وار
 درس قرآن کے مراکز کا قیام عمل میں آچکا ہے جہاں آپ کی محافل درس میں ان شہروں کے علاوہ دور دراز سے
 لوگ جوق در جوق شریک ہوتے ہیں۔ یہ قرآنی فکر کے انوار ملک کے طول و عرض کو روشن کر رہے ہیں۔ اسی
 طرح آئندہ آپ کے پیش نظر آزاد کشمیر میں بھی ایسے ہی عملی تبلیغی اور تربیتی مراکز قائم کرنے کا منصوبہ ہے جس کا
 انشاء اللہ جلد ہی آغاز ہو جائے گا۔

خواتین کے مرکز درس کا قیام: معاشرے میں خواتین کے کردار کی اہمیت کے پیش نظر
 آپ نے ان کے لیے لاہور میں ایک الگ سلسلہ وار درس قرآن کا مرکز قائم کیا ہے جہاں کثرت کے ساتھ خواتین
 اسلامی تعلیمات سے اکتساب فیض کر کے اپنی ذہنی اور عملی تربیت کا سامان کرتی ہیں۔

جنوری ۱۹۸۳ء میں آپ نے اتفاق برادرز (پاکستان) کے تعاون سے
جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن کا قیام | ایچ بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور میں اسلامی اور عصری تعلیمات کے فروغ
 کے لیے اتفاق اسلامک اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں میٹرک پاس طلبہ کے لیے چھ
 سالہ کورس کے ذریعے گزربجائیشن اور قدیم و جدید تقاضوں کے مطابق درسیات (درس نظامی) کی تکمیل کا کام کیا
 جاتا رہا ہے۔ اب بفضلہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کا یہ عظیم مرکز ماہ اگست ۱۹۸۶ء سے جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن کے نام سے
 ادارہ منہاج القرآن کے تحت منتقل کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں منہاج القرآن یونیورسٹی کے منصوبے پر عملدرآمد کا آغاز
 بھی ہو چکا ہے جس کے لیے اب تہ اذ تقریباً دو سو کنال رقبہ پر مشتمل قطعہ اراضی حاصل کیا جا چکا ہے۔

بیرونی ممالک میں تبلیغی خدمات

۱۹۸۲ء میں آپ حکومت ایران کی دعوت پر ہفتہ وحدت کی تقریبات میں شمولیت کیلئے
دورہ ایران | ایران تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے تہران، قم اور مشہد مقدس میں مختلف مقامات پر
 خطاب کیا۔ جناب آیتہ اللہ عینی، آیتہ اللہ منتظری، آیتہ اللہ مرعشی، آیتہ اللہ گل پائیگانی، وزیر اعظم صدر مملکت حکومت
 ایران کے وزراء اور کئی دیگر اہم مذہبی و سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کی اور مختلف علمی اور فنی موضوعات پر تبادلہ خیال کیا

۲ دورہ یورپ بیرون ملک تبلیغی خدمات کے سلسلے میں آپ کا ۱۹۸۲ء کا دورہ یورپ نمایاں طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ ناروے (اسلام) میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ جولائی ۱۹۸۲ء میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے جہاں آپ نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے مشترکہ اجتماع میں اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر ایک مبسوط مدلل اور تقابلی خطاب کیا جس سے بڑے بڑے عیسائی عالم اور مبلغ صامت و ساکت ہو گئے۔ یہ تاریخی تقریر یورپ میں دعوت و فروغ اسلام کے لیے نہایت موثر ثابت ہوئی جس کے نتیجے میں آپ کو ڈنمارک کے مسلمانوں نے اپنی زیر نگرانی ایک تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی دعوت دی اور یہ منصوبہ اب جنوری ۱۹۸۶ء میں بحالہ مکمل ہو گیا ہے۔

۳۔ متحدہ عرب امارات میں ادارہ منہاج القرآن کا قیام آپ نے ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۵ء میں ابو ظہبی اور دبئی، شارہ اور دیگر عرب خطیبی ریاستوں کے

بھر پور تبلیغی دورے کئے۔ جن کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عرب امارات میں ادارہ منہاج القرآن کی بہت بڑی شاخ قائم ہو گئی ہے جو ماں نہایت موثر طریقے سے ایسے اسلام اور اتحاد امت کے مٹن کو آگے بڑھا رہی ہے

۴۔ ڈنمارک میں ادارہ منہاج القرآن کا قیام جنوری ۱۹۸۶ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ڈنمارک میں بھی ادارہ منہاج القرآن کی شاخ قائم ہو گئی ہے جس کا افتتاح پروفیسر صاحب

نے ۲۵ جنوری کو کورن بیگن کے مقام پر کیا۔ کورن بیگن میں ادارہ منہاج القرآن کے تحت ایک اسلامک سنٹر کا قیام بھی عمل میں لایا جا چکا ہے جس میں مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کی فکری و عملی تربیت کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ جنوری ۱۹۸۶ء میں مذکورہ اسلامک سنٹر میں داخلہ لینے والے بچوں کی تعداد ۱۵۰ کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

۵۔ انگلستان میں مشن کا فروغ پروفیسر صاحب نے انگلستان کا پہلا تبلیغی دورہ مئی ۱۹۸۵ء اور دوسرا جنوری ۱۹۸۶ء میں کیا۔ ان دوروں میں آپ نے لندن، منچسٹر، مننگم اور پوسٹن وغیرہ میں عظیم اشران اجتماعات سے خطاب کئے۔

امریکہ میں مشن کا فروغ اسی طرح پروفیسر صاحب نے اپریل ۸۶ء میں امریکہ کا دورہ کیا جہاں انہوں نے واشنگٹن، نیویارک، شکاگو اور دیگر مقامات پر خطاب کیے جو امریکہ میں اولے کے فروغ کے سلسلہ میں انتہائی اہم ثابت ہو گئے

ایسے تمام بیرون ملک میں آپ کے خطبات، ویڈیو کیسٹ، تصانیف اور تبلیغی لٹریچر مسلمانوں کے استفادہ کے لیے بہت روپوش رہا ہے اور اس سلسلے میں بیرون ملک رہنے والے اجاب کا ادارے سے باقاعدہ رابطہ رہتا ہے

پروفیسر صاحب کے زمانہ طالب علمی کی تحریری یادداشتوں کی ورق گردانی سے آپ کے فکری ارتقا

فکری رجحانات اور ان کی نشوونما کے بارے میں جو مفید معلومات سامنے آئی ہیں ان کا تذکرہ کئے بغیر آپ کا تعارف مکمل تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پنجاب یونیورسٹی کے زمانہ طالب علمی میں جب آپ نے قومی

مذہبی، معاشرتی سیاسی اور معاشی حالات پر نظر ڈالی تو ہر طرف بے یقینی، زوال، انتشار، بے انصافی اور ظلم و استحصالی کا دور دورہ پایا۔ آپ نے معاشرے کی عملی زندگی میں کارفرما خود غرضانہ ذہنیت اور مفاد پرستانہ رجحانات کے اسباب و علل کا کھوج لگانا چاہا۔ یہ سوال ہر وقت آپ کے ذہن کو پریشان کرتا رہتا کہ ہم ذاتی مفاد کے تنگ حصار سے باہر کیوں نہیں نکلتے اور روٹی خود غرضی ترک کیوں نہیں کرتے۔ قومی سطح پر بے حسی کا عالم یہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ بھی ذاتی اور گروہی مفاد اریوں کے بندھنوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہماری درس گاہوں کی فضا اس قابل کیوں نہیں کہ وہ طلبہ کو فکری بلند پروازی عطا کر سکے۔ ہمارے نوجوان مذہبی و ملی تشخص اور انفرادیت کی اہمیت سے کیوں ناواقف ہیں۔ ان میں اپنے فکر و فلسفہ اور تہذیبی ثقافت کو بین الاقوامی سطح پر فروغ دینے کی تڑپ کیوں نہیں؟ اُمت مسلمہ اجتماعی سطح پر بے مقصدی اور عیش کو شکی کا شکار کیوں ہے۔ آج مسلمان اپنے اندر باطل طاغوتی اور استحصالی طاقتوں سے نکلنے کی جرات کیوں نہیں رکھتے۔ وہ غالب مغربی اقوام کی اسلام دشمنی کے منظم منصوبوں اور عالم اسلام کو ذلیل و رسوا کرنے کی سازشوں سے بے خبر کیوں ہیں!!

ملت اسلامیہ کے موجودہ عالمگیر زوال کو از سر نو عزت و عظمت میں کیوں نکلنے والا جاسکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ غرضیکہ اس نوعیت کے ان گنت سوالات تھے جو پروفیسر صاحب کے ذہن رما کر ہر وقت اپنی جانب متوجہ کرتے رہتے تھے۔ ملت اسلامیہ کے ایسا اور دین حق کی نشاۃ ثانیہ کی اس تڑپ نے آپ کو اس نتیجے پر پہنچایا کہ جس معاشرے میں اسلامی اقدار اور اخلاقی فضائل کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہو وہاں ہر فرد اپنے جائز مفادات کو بھی خود غرضانہ اور منفی طرز عمل سے پورا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے لہذا جب تک سارا نظام معاشرت یکسر بدل کر اس ہیچ پر نہ آجائے کہ خود غرضی اور بددیانتی کے ترک کرنے سے ہر فرد کے جائز حقوق اور مفادات از خود پورے ہونے لگیں اور دیانتداری زندگی کی دودھ میں ناکامی کا باعث نہ ہے۔ اس وقت تک کوئی بھی ذاتی مفاد کے تنگ حصار سے باہر نہیں نکل سکتا۔ بصورت دیگر اس خود غرضانہ معاشرے میں کسی کو کسی سے ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص ایثار و قربانی اور نفع بخشی و فیض رسانی کا رویہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ نتیجہً معاشرے میں ہمیشہ اخوت و محبت کا یوں ہی فقدان رہے گا۔ معاشرہ غیر فطری حد تک معاشی تفاوت کا شکار رہے گا۔ اخلاقی قدریں مٹتی رہیں گی۔ بلکہ زندگی منفی اور غیر اخلاقی تدریجوں کو رفتہ رفتہ تقویت اور فروغ ملتا رہے گا۔ جب دینی اور روحانی اقدار کی گرفت زندگی پر باقی نہ رہے گی تو کچھ لوگ عیش و عشرت کے باعث اخلاق و مذہب سے دور ہو جائیں گے۔ کچھ معاشی پریشانیوں کے باعث اور کچھ آزاد روی و آزاد خیالی کے باعث۔ یوں معاشرہ مکمل طور پر لادینیت کی پیٹ میں چلا جائے گا۔ آپ نے محسوس کیا کہ مذکورہ بالا منطقی عمل ہمارے معاشرے میں گزشتہ کئی برس سے جاری ہے اور بد قسمتی سے ہماری قیادت ان تباہ کن رجحانات سے جنگ کے لیے تیار نہیں ہے جب کہ یہ کام ایک ہم گیر انقلاب کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ آپ نے اسلام کا ایک ہم گیر انقلابی تحریک کی حیثیت سے مطالعہ شروع کیا۔ اس نقطہ نظر سے جب آپ

نے اسلامی لٹریچر کو کھٹکا لاتیو یہ دیکھ کر از حد تعجب ہوا کہ بیشک اسلام کو ایک جامع اور مکمل نظام حیات کے طور پر تو شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے لیکن دین کے انقلابی اور تحرکی پہلو پر زیادہ غور و غور نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان گزشتہ ادوار میں اسلام عالمگیر سطح پر غالب و فائق رہا اور اس کے عالمگیر اچھا کے لیے خود اس کا ایک انقلابی تحریک ہونا بطور مضمون کے کبھی موضوع تحقیق نہیں بن سکا اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔

چنانچہ جب آپ درس نظامی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایم اے کے سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں داخل ہوئے تو بڑھئی کے معروف مسلم فلسفی اور مفکر ڈاکٹر بریلان احمد فاروقی سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ جن کی زیر تربیت آپ کے انقلابی فکر کی آبیاری ہوئی چنانچہ آپ ان فکری اسکول کے ساتھ بطور خاص امام غزالی، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے انقلابی افکار کی طرف متوجہ ہوئے و درجہ جدید کے رہنماؤں میں سے جمال الدین افغانی، مفتی محمد عبدہ، حسن ابنہا، علامہ رشید رضا اور مولانا عبید اللہ سندھی وغیرہم کے انقلابی رجحانات اور تحریکات کا مطالعہ کیا۔ غیر مسلم مفکرین اور داعیان انقلاب میں سے کارل مارکس، فریڈرک اینجلز، اینن سٹائن اور ماڈرنے تنگ وغیرہ کی تصانیف کا بھی مطالعہ کیا۔ ان غیر مسلم اشتراکی داعیان انقلاب کے افکار کے مطالعہ سے آپ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ ان کی تحریروں میں اپنے افکار اور فلسفہ انقلاب کی جو خود اعتمادی، عزم کی پختگی، نظریاتی خاصیت اور نتیجہ خیزی کا یقین پایا جاتا ہے عصر حاضر کے بیشتر اسلامی داعیان انقلاب کی تحریروں میں وہ بھی نظر نہیں آتا بلکہ اس تعابلی مشاہدے نے آپ کو مزید پریشان کیا کہ آج باطل کے مقابلے میں حق کے علمبردار اس قدر مایوسی، بے یقینی، نظریاتی التباس، فکری مذبذبت اور ذہنی شکست خوردگی کا شکار ہو چکے ہیں کہ ان کی تمام تر مساعی کے نتائج اب صرف عقیدہ آخرت میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں اور باطل سے دنیوی زندگی میں کامیاب نہ کرنے کا تصور ناامیدی کی نذر ہو گیا ہے۔ اس منکری تناظر میں آپ نے ملت مصطفوی کی عظمت و سطوت اور اسلام کی پارینہ شان و شوکت کو بحال کرنے کے لیے عالمی انقلاب کو اپنا طبع نظر اور مقصد زیست بنالیا۔

فکری ارتقاء و نشوونما کے اس سفر میں مولانا احمد رضا خان اور علامہ اقبال کے افکار و خیالات نے آپ کو اہمیت مسلمہ کے دینی ولی شخص اور اس کی بقا کے لیے نسبت مصطفوی کی پختگی کا درس دیا۔ آپ نے انقلابی زاویہ نگاہ سے قرآن و سنت کا از سر نو عمیق مطالعہ کیا اور قرآن مجید کا ایک منتخب انقلابی نصاب تیار کیا۔ اس انداز میں مطالعہ قرآن سے آپ کے عزم و بصیرت اور خیالات کو قوی و تلی سطح پر عالمگیر دست نصیب ہوئی جب کہ سنت و سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے اچلتے اسلام کی انقلابی جدوجہد کے لیے صبح اور بے خطا سدھال سامنے آئے۔

قرآن مجید نے بالآخر غلبہ دین حق کی بحال کی حتمی و قطعی ضمانت مہیا کر دی اور یوں آپ نے اچلتے اسلام کے لیے عالمگیر اور ہمہ گیر جدوجہد کا عزم کر لیا۔

چنانچہ مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۷۲ء بمطابق ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ بمقام دربارِ نوشیہ شارع انگلانی کوٹہ آپ نے زندگی کو وقف انقلاب کرنے کا حلف قدمہ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری انگلانی البندای مدظلہ العالی کے دست اقدس پر بصورت بیعت اٹھایا۔

یوں آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ملا وقف انقلاب ہو گیا۔ اب یہی آپ کی زندگی کا مشن ہے اور یہی مقصد زیست۔

پروفیسر محمد طاہر القادری راسخ العقیدہ حنفی المذہب ہونے کے باوجود جدید قانونی مقناوی **ذہنی و طبعی رجحانات** سیاسی اور بین الاقوامی مسائل میں قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کے قائل ہیں۔ آپ

شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ آئمہ معتزین و متاخرین کی فقہی آرا کی روشنی میں اجتہادی کاوشیں جاری رہنی چاہئیں

اگر تمام معاملات میں محض تقلید ہی مکمل طور پر سادی و طاری رہی تو مسلمانوں کی علمی صلاحیتیں رنگ آلود ہو کر

ناکارہ ہو جائیں گی۔ ملت کے اعیانہ اور امت کے مردق مردہ میں تازہ زندگی پیدا کرنے کے لیے اسلاف امت

اور آئمہ اسلام کی پیروی میں ان کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق اجتہادی اور تخلیقی انداز میں علمی ارتقاء کا سلسلہ

قائم رہنا چاہیے۔ پروفیسر محمد طاہر القادری کی قرآنی فکر اور فقہی و علمی سوچ کی بیج یہی ہے اور آپ اپنی تمام صلاحیتیں

اسی مقصد کے حصول میں صرف کر رہے ہیں۔ آپ امت مسلمہ کے اتحاد کی سخت ضرورت محسوس کرتے ہیں اور

سمجھتے ہیں کہ گروہی، مسلکی یا فرقہ وارانہ نزاعات سے بلند ہوئے بغیر اسلام کے ہمہ گیر اعیانہ کا کام ممکن نہیں۔

آپ کا خیال ہے کہ مسلکی اور فقہی اختلافات عملاً ختم نہیں کئے جاسکتے لیکن انھیں وجہ نزاع بنا نا درست نہیں۔

مزید بآں بر شخص کو اپنے اپنے عقیدہ و مسلک پر سختی سے قائم رہنے کا پورا حق حاصل ہے۔ تاہم متفقہ امور میں اتحاد کر کے

وسیع تر مقصد اور بلند تر نصب العین کے لیے کام کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں آپ شخصی زندگی میں اصلاح احوال

تذکیہ نفس اور تطہیر باطن کے لیے اولیائے کرام اور سونیاے عظام کے طریق کار کے بہت بڑے حامی اور مؤید ہیں۔

آپ کو اسلامی تصوف و طریقت کی ان حقیقی اور عملی تعلیمات سے بے پناہ شغف اور طبعی رغبت ہے جن کے بغیر انسان

حب دنیا، حب جاہ و منصب، حسد، بغض و عداوت، کبر و ریاء، نفاق و منافرت، آفات نفس اور رذائل اخلاق سے

نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ آپ جس تصوف و روحانیت کے قائل اور مبلغ ہیں وہ عملی تصوف ہے جو وجود و تعقل سے

بہت دور سراسر حرکت و انقلاب ہے اور براہ راست سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے۔ جس کی تائید تبلیغ

ہمیشہ اکابر صوفیاء نے کی اور جس کے سبب سے امت کے ادوار زوال میں بھی اعیانہ اسلام کی شمع فروزاں ہوتی رہی۔

آپ کے نزدیک آج بھی مذہبی اور اخلاقی و روحانی زندگی کے زوال و ابتلا کا خاتمہ صرف اسی مثالی خانقاہی نظام

کی بحال سے ممکن ہے جس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب صفہ کے گروہ کی صورت میں رکھی تھی۔ آپ

یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک علماء و مبلغین ہیں واقعہ عشق الہی، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم درود و سوز و دروں صدق و

انخاص حسن نیت و عمل اللہیت رضائے الہی تقویٰ و طہارت زہد و ورع اور نور عبادت و ریاضت جیسے فضائل پیدا نہیں ہو جاتے ان کی تبلیغ سے احوال زمانہ کا رخ نہیں بدلا جاسکتا۔ آپ کے نزدیک انہی فضائل کی برکت سے الشرح صدر کی دولت نصیب ہوئی ہے اور سینہ و دل معارف دین اور فیضان نبوت کے قابل ہوتے ہیں۔ آپ قرآنی تعلیمات کی ایسی ترویج و اشاعت چاہتے ہیں جو عالم اسلام میں عظیم فکری اور عملی انقلاب کی بنیاد ثابت ہو جس سے انسانیت کو درپیش مسائل و مشکلات کا یقینی اور قابل عمل حل میسر آئے۔ اسلام کی عالمگیر فتح اور غلبہ دین حق کی بحالی کے لیے قرآن و سنت کے فکر پر مبنی عظیم عالمی انقلاب کو اپنا مقصد زندگی بنالینے والا ہر شخص آپ کا رفیق ہے اور خود آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اسی مقصد و حید کے لیے وقف ہے۔

پروفیسر صاحب کی تمام دینی خدمات وقف فی سبیل اللہ ہیں | پروفیسر صاحب کی نجی اور مشنری زندگی

کافی پہلو قابل مطالعہ ہے کہ آپ کی تمام دینی و ملی خدمات جن میں آپ کی جملہ تصانیف، تقاریر، خطابات کے ریکارڈ شدہ کمپنیز، درس قرآن اور جامع مسجد اتفاق کالونی لاہور کے خطبات جمعہ وغیرہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دین اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خدمت کے لیے فی سبیل اللہ وقف ہیں۔ آپ ان میں سے کسی شے کا بھی کوئی معاوضہ، مشاہرہ، تنخواہ، کمیشن یا راجسٹی وغیرہ نہیں لیتے۔ ادارہ منہاج القرآن اور اتفاق اسلامک اکیڈمی کی سرپرستی بھی اسی طرح آپ کی فی سبیل اللہ خدمات ہی کا حصہ ہیں۔

مزید برآں آپ کے انڈین ملک کراچی سے پشاور تک تمام تبلیغی اور تنظیمی دوسے مختلف مقامات پر درس قرآن کے مراکز اور ادارہ منہاج القرآن کی تنظیمی شاخوں کے قیام کے سلسلہ میں جس قدر بھی مساعی میں وہ سب کی سب بلا معاوضہ و مشاہرہ صرف اور صرف رضائے الہی کے لیے وقف ہیں۔ اسی طرح آپ کے بیرون ملک عالم اسلام اور یورپ تک کے وقتاً فوقتاً ہونے والے تبلیغی دوسے بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ آپ نے آج تک مذکورہ بالا نچلے دینی، ملی، تحقیقی، تقریری، تحریری اور تنظیمی سرگرمیوں پر ایک پائی تک کا معاوضہ بھی کسی جماعت، طبقے، تنظیم، خاندان یا فرد سے وصول نہیں کیا بلکہ آپ نے خدمت دین کے ضمن میں معاوضوں اور مشاہروں کو اپنے اوپر کلیتہً حرام کر لیا ہوا ہے۔

یہ پہلو اس لیے حتی کے متلاشیوں کے لیے بڑا حوصلہ افزا اور ایمان افروز ہے کہ آج کے دور میں بھی اگر کوئی شخص اپنا تن من و جان سب کچھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف کرتے ہوئے ہر قسم کے دنیوی مفاد و منفعت اور حرص و ولہج سے بالاتر ہو کر انخاص کے ساتھ جدوجہد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اس کے مشن میں اس طرح شامل حال رہتی ہے کہ اس کے راستے کی سب رکاوٹیں از خود دور ہوتی چلی جاتی ہیں اور غلبہ خدا بہ دل و جان اس کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اس کی طرف کھینچی چلی آتی ہے۔

اسی طرح آپ نے ادارہ منہاج القرآن اور کاروان اسلام کے نام پر دینی ایجاد کی جس عالمگیر تحریک

کا آغاز کیا ہے وہ بھی کسی مخصوص فرد، جماعت یا تنظیم کی مالی معاونت کی نہ محتاج ہے نہ ہوگی۔ ادارہ منہاج القرآن اور کاروان اسلام کے جملہ مالی وسائل کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ پروفیسر صاحب کی تصانیف کی جملہ آمدنی اسی مشن کے لیے وقف ہے۔ جس میں سے وہ خود ایک پاتی بھی وصول نہیں کرتے۔

۲۔ پروفیسر صاحب کی تقاریر و خطبات کے ریکارڈ شدہ کیسٹس کی جملہ آمدنی بھی مشن ہی کے لیے وقف ہے اور اس میں سے بھی وہ ایک پاتی تک وصول نہیں کرتے۔

نوٹ، دواغ ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے پروفیسر صاحب کی تصانیف اور خطبات کی ریکارڈ شدہ کیسٹوں کی سالانہ سیل لاکھوں روپے کے حساب تک متجاوز ہے جس میں آئے دن اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ ادائے کے رفتار کا ماہانہ چندہ۔

۴۔ ادارے کے رفتار اور وابستگان کے خصوصی عطیات جس سے ادائے کی تعمیرات کے اخراجات کی کفالت ہو رہی ہے۔ واضح رہے کہ تعمیرات کا یہ منصوبہ بھی محض رفتار ادارہ کے اجتماعی تعاون کا نتیجہ ہے۔

یہاں یہ پہلو دلچسپی سے غالی نہ ہوگا کہ پروفیسر صاحب نے اپنی زندگی کو اسی دن سے ہی کلیتہً دنیوی منفعت و معاونت کے تصور سے بالاتر ہو کر محض رضائے الہی کے لیے وقف کر دیا تھا جس دن سے آپ نے اجماعاً اسلام کے عالمگیر انقلاب کے لیے عطف کی صورت میں خود کو بارگہ ایزدی اور بارگہ مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا۔

۱۹۷۴ء میں جب آپ کے والد گرامی حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری کا وصال ہو گیا تو اس کے بعد جھنگ کے زمانہ قیام میں گھر پر ذمہ داریوں کی کفالت کا سارا بوجھ آپ کے کندھوں پر آن پڑا۔ بحمد اللہ تعالیٰ آپ نے لاہور منتقل ہونے سے پہلے کم و بیش اس چار سالہ دور کو محض اللہ کے فضل و احسان سے کامیابی کے ساتھ نبھایا۔ اسی دور سے آپ نے مشنری جدوجہد کا بھی آغاز کر دیا تھا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسی دور کے ابتدائی زمانہ میں آپ گورنمنٹ کالج میں بطور لیکچرار تعینات تھے اور بعد ازاں جھنگ ڈسٹرکٹ کورٹس میں بطور ایڈووکیٹ پریکٹس کرتے رہے۔ اس دور میں طرح طرح کی مالی اور دیگر مشکلات و آلام کی کثرت نے آپ کو بارگہ گھیرا لیکن راقم الحروف خود شاکر ہے کہ اللہ کے فضل سے آپ نے یہ زمانہ بھی اللہ کی مدد و نصرت سے پورے صبر و توکل اور استغناء کے ساتھ گزارا۔

بعد ازاں ۱۹۷۸ء میں لاہور منتقل ہوتے ہی آپ نے پنجاب یونیورسٹی لاہور کالج میں ملازمت اختیار کر لی جسے آپ نے ۱۹۸۲ء تک مستقل بنیادوں پر قائم رکھا۔ آپ کے قریبی دوست اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ قیام لاہور کا ابتدائی چار سالہ دور بھی آپ نے جس صبر و توکل کے ساتھ بسر کیا ہے اس کی روداد سن کر بھی عام انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے شب و روز کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ان احوال سے پورے

طور پر تو اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے یا ان کے اپنے گھر کے شب و روز۔ لیکن باوجود تمام تر صلاحیتوں اور ذہنی مواقع کی فراوانی کے آپ نے نامہائزادہ غیر اخلاقی طور پر مال و سائل پیدا کرنا تو درکنار محض اہل علم کے اہل متداول طریقے کے مطابق اپنی دینی خدمات کو بھی اپنا ذریعہ معاش بنانا گوارا نہ کیا اور جب ادارہ منہاج القرآن کے قیام کے بعد آپ کی دینی، تحقیقی، تصنیفی اور تبلیغی مصروفیات میں اس حد تک اضافہ ہو گیا کہ پنجاب یونیورسٹی کی ملازمت کو بھی مستقل بنیاد پر قائم رکھنا ممکن نہ رہا تو آپ اس سے بھی استعفیٰ ہو گئے اور اپنے اہل و عیال کے لیے ضروریات زندگی کی کفالت کا مستقل انتظام کرنے کی خاطر آپ نے اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد میں سے جو کچھ ممکن تھا فروخت کر دیا یہاں تک کہ آپ کے پاس اپنے آبائی وطن جھنگ صوبہ میں اپنے عارضی قیام کے لیے بھی اب ایک کمرہ تک باقی نہیں رہا اور آپ وہاں کی ساری جائیداد فروخت کر کے لاکھوں روپے میں آزادانہ بنیادوں پر رزق حلال کی فراہمی پر صرف کھچے ہیں باوجودیکہ تمام اعزہ واقارب اور اجباب کے منع کرنے کے کہ کم از کم اس مکان کو نہ بیچا جائے جس سے آپ کے بچپن اور جوانی کی پوری تاریخ وابستہ ہے جس سے والدین کی شفقت و محبت اور لطف و مروت کی حسین یادیں وابستہ ہیں آپ نہ ملنے اور کہانیہ زندگی کی جذباتی یادیں اپنی جگہ درست سہی لیکن مجھے لاہور میں اپنے قیام اور ماہانہ گھریلو ضروریات کی کفالت کے لیے بھی کوئی مستقل انتظام کرنا ہے۔

چنانچہ آپ نے اس جائیداد کے علاوہ گھریلو زندگی کی بھی کئی اسٹیمپا۔ اس مقصد کے لیے فروخت کر دی اور یوں مختلف ذاتی ذرائع سے کچھ سرمایہ فراہم کیا۔ بعض قریبی دوستوں سے ادائیگی کے وعدے پر کچھ قرضہ جات بھی لیے۔ بالآخر اس طرح انھوں نے لاہور میں اپنی رہائش کے لیے مکان خریدنا اور گھریلو ضروریات کی کفالت کے لیے کوئی دست کے ساتھ شراکت کی بنا پر ایک چھوٹا سا کاروبار تشکیل دیا۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے - VISITING " PROFESSOR - کے طور پر ایل ایل ایم کی کلاسز کی تدریس کی حد تک اپنا تعلق بھی قائم رکھا ہوا ہے جس سے کچھ اعزاز یہ بھی ملتا ہے۔ اسی طرح سپریم کورٹ شریعت پنچ، وفاق شرکی عدالت اور دیگر قومی سطح کے سرکاری اداروں سے بطور مشیر کے جو تھوڑا بہت اعزاز یہ ملتا ہے ان تمام ذاتی وسائل سے آپ اپنی ضروریات زندگی کی کفالت بھی کرتے ہیں اور ماہانہ اقساط کی صورت میں قرضہ جات کی ادائیگی بھی مگر جہاں تک آپ کی دینی اور تبلیغی خدمات کا تعلق ہے اس کو آپ نے کسی لحاظ سے بھی اپنا ذریعہ روزگار نہیں بنایا اور نہ ہی اس ضمن میں آپ نے کسی کے زور بار احسان ہونا گوارا کیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی لاکھوں روپے کی مالیتی لائبریری (جو آپ نے اپنے والد ماجد سے ورثہ پائی تھی) بھی اپنی دیگر تصنیف کردہ کتب اور کیسٹس کے ساتھ ادارہ منہاج القرآن کو وقف کر دی ہے اور اعلان بھی کر دیا ہے کہ میرے بعد میرے خاندان میری اولاد یا ورثہ میں سے کوئی شخص بھی میری جلد دینی خدمات سے حاصل ہونے والے سرمائے یا مالی معاونت کوئی استحقاق نہ رکھے۔ کیونکہ یہ سب کچھ وقف فی سبیل اللہ ہے۔

پروفیسر صاحب کی زندگی کے اس ذاتی گوشے کی تفصیل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس لیے بیان کر دی گئی

ہے کہ کسی کو حالت سے ناواقفیت کے باعث کوئی غلط فہمی نہ ہو بلکہ دین کی راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے آج بھی ایک عملی مثال سامنے آسکے تاکہ وہ اس سے سامانِ عزم و ہمت حاصل کریں۔ مزید یہ کہ دعوتِ حق کی ذمہ داری ادا کرنے والوں کی زندگی کا ہر پہلو بہر طور لوگوں کے سامنے ایک نعلی کتاب کی مانند رہنا چاہیے تاکہ لوگوں کو اس کی خلوت و جلوت، اندرونی بیڑی اور بی دماغی زندگی کے سارے معاملات کا صحیح علم ہو۔ یہی معیار قیادتِ امت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم اور عمل کی صورت میں عطا فرمایا ہے۔

اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ

تصانیف | پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی مندرجہ ذیل تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

۱۔ تسمیۃ القرآن (تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم)

۲۔ سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت

۳۔ اسلامی فلسفہ زندگی

۴۔ اجزائے ایمان (حصہ اول)

۵۔ اجزائے ایمان (حصہ دوم)

۶۔ اجزائے ایمان (مکمل) (مجلد)

۷۔ ایمان اور اسلام

۸۔ فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟

۹۔ مناجات عرفان فی لفظ القرآن

۱۰۔ بلاسود بنکاری (عبوری خاکہ)

۱۱۔ منافقت اور اس کی علامات

۱۲۔ سیاسی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

۱۳۔ معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

۱۴۔ اجتہاد اور اس کا دائرہ کار

- ۱۵۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور فلسفہ خودی
 ۱۶۔ تاریخ فقہ میں ہدایہ و صاحب ہدایہ کا مقام
 ۱۷۔ معارفِ اہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 ۱۸۔ شہادتِ توحید
 ۱۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مصلح سیات
 ۲۰۔ اقبال اور تصورِ عشق
 ۲۱۔ تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب
 ۲۲۔ حکمتِ استعاذہ (تفسیر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم)
 ۲۳۔ فلسفہ تسمیہ (تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم)
 ۲۴۔ معارفِ اسم اللہ جل جلالہ
 ۲۵۔ صفتِ رحمت کا شانِ امتیاز
 ۲۶۔ عصر حاضر اور فلسفہ اجتہاد
 ۲۷۔ حصولِ مقصد کی جدوجہد اور نتیجہ خیزی
 ۲۸۔ پیغمبرانہ جدوجہد اور اس کے نتائج
 ۲۹۔ قرآنی فلسفہ تبلیغ
 ۳۰۔ فطرت کا قرآنی تصور
 ۳۱۔ قرآنی فلسفہ عروج و زوال
 ۳۲۔ پیغمبر انقلاب اور صحیفہ انقلاب
 ۳۳۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (وقت کی اہم ضرورت)
 ۳۴۔ علم۔ توجہی یا تخلیقی
 ۳۵۔ دینی اور لادینی علوم کے اصلاح طلب پہلو

۳۶۔ مغربی اور اسلامی تصورِ قانون کا تقابلی جائزہ

۳۷۔ نص اور تعبیرِ نص

۳۸۔ قرآن اور شمائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

- ۳۹۔ Islam In Various Perspectives
 ۴۰۔ Quranic Concept of Human Guidance
 ۴۱۔ Islam and Freedom of Human will
 ۴۲۔ Islamic Concept of Human Nature
 ۴۳۔ Quranic Basis of Constitutional Theory
 ۴۴۔ Philosophy of Ijtihad and the Modern World
 ۴۵۔ Islamic Concept of Crime ۴۶۔ Islam-The State Religion
 ۴۷۔ Islamic Philosophy of Punishments
 ۴۸۔ Islamic Concept of Law ۴۹۔ What Islam is ?
 ۵۰۔ Divine Pleasure (The Ultimate Ideal)
 ۵۱۔ Islamic Philosophy of Human Life
 ۵۲۔ Islam and Christianity
 ۵۳۔ Islam and Modern Medicine
 ۵۴۔ Quranic Concept of Benevolence
 ۵۵۔ Finality of the Prophethood

زیر طبع و زیر ترتیب تصانیف

- ۵۶۔ عورت کی دیت کا مسئلہ
 ۵۷۔ التصوف فی الاسلام
 ۵۸۔ اسلام کا تصورِ ملکیت
 ۵۹۔ الاربعین فی فضائلِ النبی الامین
 ۶۰۔ فلسفہ معراجِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 ۶۱۔ علم، قانون اور اجتہاد
 ۶۲۔ تعلیمی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

۶۳۔ حقیقتِ صلوة

۶۴۔ حقیقتِ صوم

۶۵۔ حقیقتِ حج

۶۶۔ حقیقتِ زکوٰۃ

۶۷۔ قرآنی فلسفہ انقلاب

۶۸۔ اسلام اور سائنس

۶۹۔ اسلام اور طب جدید

نوٹ : پروفیسر صاحب کی شہرہ آفاق تفسیر منہاج القرآن کی پہلی جلد بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے۔ سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تصوف پر درس اور خطبات کا ضخیم مجموعہ بھی تیار ہو چکا ہے جن کی ترتیب و تدوین کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔

علاوہ ازیں اسلام کے مختلف علمی و عملی اور روحانی و انقلابی پہلوؤں پر پروفیسر صاحب کے سینکڑوں مسودات ترتیب و تدوین کے مراحل میں ہیں جن پر تیزی سے کام ہو رہا ہے۔

فرقہ پرستی کا خاتمہ
کیونکر ممکن ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جدت میں فرقہ پرستی اور تفرقہ پروری کا زہر اس حد تک لڑت کر چکا ہے کہ نہ صرف اس کے خطرناک مضمرات کا کما حقہ احساس و ادراک ہر شخص کے لیے ضروری ہے بلکہ اس کے تدارک اور ازلے کے لیے مؤثر منصوبہ بندی کی بھی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے گرد و پیش تیزی سے جو حالات رونما ہو رہے ہیں ان کی نزاکت اور سنگینی اس امر کی متقاضی ہے کہ ہم نوشتہ دیوار پڑھیں اور اپنے درمیان سے نفرت، بغض، نفاق، تشقت اور انتشار و افتراق کا قلع قمع کر کے باہمی محبت و مودت، اخوت، یگانگت یک جہتی اور اتحاد بین المسلمین کو فروغ دینے کی ہر ممکن سعی کریں کہ اسی میں ہماری بقا اور فلاح و نجات مضمر ہے۔

زیر نظر مضمون میں اہل اسلام میں فرقہ پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔ اور قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے انسداد کیلئے ایک قابل عمل حل WORKABLE SOLUTION امت مسلمہ کے سامنے رکھا گیا ہے۔ آج کی معروضی صورت حال میں یہ مضمون اپنی اہمیت کے اعتبار سے بجا طور پر اس بات کا مستحق ہے کہ تمام مسالک اور مکاتب فکر کے دروہل رکھنے والے حضرات اس کے مندرجات کا سنجیدگی اور غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کریں اور قرآن و سنت کی روشنی میں فرقہ پرستی کے منفی رجحانات کے خلاف

منظم تحریک بلکہ جہاد کا آغاز کریں۔

اسلامی معاشرے کے قیام کی انفرادی اور اجتماعی فرہماری

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ

إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا

وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا

نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ

كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ

بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ

بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے
اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا مگر
اس حال میں کہ تم مسلمان ہو اور سب
بل کر مضبوطی سے اللہ کی رسی کو پکڑ لو
اور جدا جدا نہ ہونا۔ یاد رکھو اللہ کی وہ
نعمت جو اس نے تم پر فرمائی۔ جب تم
ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پس اس نے
تمہارے دلوں میں باہمی الفت و محبت
پیدا کر دی اور تم اللہ کی نعمت سے آپس
میں بھائی بھائی بن گئے۔

ان آیات کریمہ میں باری تعالیٰ تمام مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے
ہیں کہ وہ تقویٰ اختیار کریں یعنی اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈریں جس طرح ڈرنے
کا حق ہے۔ یہ عمومی حکم تمام اہل اسلام کے لیے ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی پل خوف
اور خشیت خداوندی سے خالی نہ ہو اور جب زندگی کا سفر تمام ہو اور موت کی
ساعت آپہنچے تو وہ بھی حالت اسلام میں ہی آئے۔ اس کے بعد ان کو اللہ کی رسی
یعنی دین محکم کو مضبوطی سے تھام کر باہمی اتحاد و اتفاق کی تلقین اور تفرقہ و انتشار

۱۰۳ - ۱۰۲ : آل عمران ۳

سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آخر میں اس احسان کا ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح اللہ نے انہیں آگ کے گڑھے کے کنارے یعنی یقینی تباہی سے بچایا۔ اور نفرت و کدورت کی جگہ ان کے دل میں باہمی محبت و مودت ڈال دی۔

ان ارشادات ربانی کی رو سے مسلمانوں پر ایک فعال اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے دو قسم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی۔

اسلامی معاشرے کی کامیابی کی شرطِ اولین یہ ہے کہ انفرادی ذمہ داری

بیان کی گئی ہے کہ انفرادی حیثیت سے ہر فرد اپنی اپنی جگہ اپنی ذمہ داری مقدر و بھرا داکرے۔ اس بارے میں ارشادِ ربانی ہے

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا
إِلَّا وُسْعَهَا ۗ

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت اور
توفیق سے بڑھ کر تکلیف میں نہیں ڈالتا۔

اس آیت میں جہاں انسانوں پر استطاعت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہ ڈالنے کا ذکر ہے وہاں یہ بھی بالواسطہ مذکور ہے کہ ہر کسی کو اپنی اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق انفرادی طور پر اپنی ذمہ داری نبھانی چاہیے۔ ورنہ اس کا خدا کے ہاں مواخذہ ہوگا۔

مسلم معاشرے کے تمام افراد کا اپنے اندر انفرادی ذمہ داری کے احساس کا اُجاگر کر لینا کامیابی و کامرانی کی خشتِ اول ہے کیونکہ اصلاحِ احوال کی جانب پہلا قدم ہی تقویٰ کو پوری زندگی میں جاری و ساری کرنا قرار دیا گیا ہے تقویٰ کیا ہے؟ امامِ راغب اصفہانی المفردات میں فرماتے ہیں :

التقوى حفظ الشيء مما
يؤذيه و يضره ۗ

تقویٰ سے مراد ہر اس چیز سے محفوظ
رہنا ہے جو تکلیف اور نقصان پہنچائے

۱ البقرہ ۲ : ۲۸۶

۲ المفردات : ۵۶۸

تقویٰ کی تعریف ایک مقام پر ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے۔

اتقوا حفظ النفس (تقویٰ سے مراد ہر اس شے سے بچنا

عما یوشم لہ ہے جو گناہ میں مبتلا کر دے۔

آیت مذکورہ میں ”وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ“

کہہ کر انتہائی اہم نکتہ سمجھا دیا گیا ہے کہ جینا اور مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہو۔ زندگی بھی اسلام کی نذر ہو اور موت بھی اسی کی۔ گویا انفرادی ذمہ داری

کا معنی یہ ہے کہ بجائے دوسروں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کے ہر

انسان اصلاح احوال کا آغاز خود اپنی ذات سے کرے۔ وہ جہاں کہیں بھی جس

حیثیت سے ہے سب سے پہلے اپنی اخلاقی ذمہ داری نبھائے۔ دوسروں

سے اصلاح کی توقع کر کے نہ بیٹھا رہے۔ اس وقت ہماری خرابی یہ ہے کہ

ہم اپنی انفرادی ذمہ داری عملاً نبھانے کی بجائے دوسروں کو مورد تنقید بناتے

سہتے ہیں اور اس طرح کہیں سے بھی اصلاح کا آغاز نہیں ہو پاتا۔

اسلامی معاشرے کو صحیح خطوط پر منظم کرنے کی

ذمہ داری من حیث المجموع تمام امت مسلمہ

پر ہی ڈالی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ زمانہ و مکانی

حدود سے ماوراء قیامت تک تمام نسل انسانی کے لیے ہے۔ اس لیے

اجتماعیت کا تصور اسلام کی فطرت کا جزو لاینفک ہے۔ اجتماعیت جب اسلام

کے رگ و ریشہ میں اس طرح سمائی ہوئی ہے کہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد

ہر جگہ اس کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ کیونکہ شجر اسلام کے برگ و بار کو زمانے کی

بلاخیزیوں سے محفوظ کرنے کے لیے قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سیرتِ طیبہ ہی مشعلِ راہ ہیں۔ اس لیے فرقہ پرستی کے بلاخیز طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے بھی جس ضابطہ عمل کو اپنانے کی ضرورت ہے وہ قرآن و سنت کے تصورِ اجتماعیت پر مبنی ہونا چاہیے۔

فلسفہ اعظام اور تصور وحدت

ارشادِ ربّانی ہے۔

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۗ
اور تم سب مل کر مضبوطی سے اللہ کی رسی کو پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہونا

مولہ بالا آیت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جس کا پہلا حصہ امر اور دوسرا اپنی پر مبنی ہے۔ اس کے ذریعے بیک وقت مثبت اور منفی دونوں اعتبار سے واضح احکام صادر فرمائے گئے ہیں۔ قرآن و سنت کے بیشتر احکام امر کی نوعیت کے ہوتے ہیں یا نہی کی نوعیت کے۔ جنہیں آج کی جدید قانونی اصطلاحات میں بالترتیب "ACTS OF OMISSION" اور "ACTS OF COMMISSION"

کہا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ قرآن کے ان مقامات میں سے ہے جہاں مثبت اور منفی دونوں احکام کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جملہ اہل ایمان سے خطاب فرما رہے ہیں کہ "تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو" یہ تو تھا مثبت حکم۔ اس کے بعد امتناعی حکم آتا ہے اور "خبردار تم باہمی تفرقہ اور انتشار کا شکار نہ ہونا۔ اس میں واضح اور غیر مبہم طور پر فرقہ پرستی اور تفرقہ پروری کی مذمت کی گئی ہے۔ گویا یہ آیت اخوت و اتحاد کی دعوت اور تفرقہ و انتشار کی مذمت دونوں پہلوؤں کو اپنے دامن میں لئے ہوتے ہے۔ یہاں بڑی وضاحت سے امت واحدہ کے تصور کو اذہان و قلوب میں جاگزیں کیا گیا ہے کہ ظہورِ اسلام

کا بنیادی مقصد نسل و رنگ اور شہوب و قبائل پر مبنی عصبیت و تفاخر کے بتوں کو توڑ کر تمام ذریعہ انسانی کو ایک مہرکز پر لانا اور ایک دائمی وحدت کے رشتے میں منسلک کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ بھی اسی مقصد کی نماز اور آئینہ دار ہے جو قرآن حکیم کا منشاء نزول ہے۔

نبی آدم اعضائے یک دیگر اند

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مسلمانوں کی باہمی محبت اور	مثل المؤمنین فی توادهم
رحمت و مودت کی مثال ایسی ہے جیسے	و تراحمهم و تعاطفهم مثل الجسد
ایک ہی جسم ہو جس میں ایک عضو کو تکلیف	اذا اشتكى منه عضو تداعى
پہنچے تو سارا جسم بے خواب و بے آرام ہو	له ساثر الجسد بالسهر والحمى له

جاتا ہے۔

جس طرح ایک جسم کے مختلف اعضا اپنی جداگانہ حیثیت اور انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے درپے آزار نہیں ہوتے بلکہ پورے جسم کے لیے تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ بعینہ حضور کے ارشاد کے مطابق تمام امت مسلمہ بمنزلہ ایک جسم کے ہے اور اس کے افراد بمنزلہ اعضاء۔ جسم کا ایک عضو بھی تکلیف اور درد میں مبتلا ہو تو بقیہ سارے اعضا چین اور آرام سے نہیں رہ سکتے۔ درد بے شک جسم کے کسی ایک حصے میں ہو اس کے لیے آنکھ اشکبار ہوتی ہے۔ یہ رشتہ ایک مسلمان فرد کا ملت اسلامیہ سے ہونا چاہیے۔ جو آنکھ کا پورے جسم سے ہوتا ہے۔

نہ الصبح المسلم ۲ : ۳۲۱

بقول شخصے

مبستلاتے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
 کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ
 دیکھا جاتے تو یہی اجتماعی درد کا وہ لازوال رشتہ ہے جو ملتِ اسلامیہ کے
 افراد کی کثرت کو ایک وحدت میں بدل دیتا ہے۔

خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جیسے جسم کا کوئی ایک حصہ دوسرے سے برسرِ پیکار نہیں ہو سکتا، بلکہ تمام اعضا جسم
 کو بیرونی خطرات سے بچانے کے لیے ہمہ وقت متحد اور مستعد رہتے ہیں۔ بلکہ ہر
 ایک کی حفاظت کی ضمانت دوسرے عضو کی حفاظت میں مضمر ہوتی ہے، ویسے ہی
 مسلمانوں کے مختلف فرقے اور طبقے جو جسمِ ملت کے مختلف اعضا ہیں، ایک دوسرے
 سے برسرِ پیکار ہو کر نہ مرت ملت کی اجتماعی سلامتی اور تحفظ کو معرضِ خطر میں ڈال رہے
 ہیں بلکہ اپنے انفرادی تحفظات کو بھی تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ مختلف طبقوں اور
 فرقوں کی مثال ندی نالوں کی سی ہے جو ایک ہی دریا سے فیضیاب ہو رہے
 ہیں۔ دریا کی روانی سے ہی ان کا بہاؤ جاری ہے۔ اگر دریا ہی خشک ہو گیا تو ان کا
 اپنا وجود کب برقرار رہے گا۔

تفرقہ پروری کی موت کفر کی موت ہے۔

اجتماعیت کو چھوڑ کر جدا جدا اکائیوں میں منقسم ہو جانا اور اپنے اپنے تشخصات
 میں گم ہو جانا تشنیت اور انتشار کو جنم دیتا ہے جس سے ملت کی اجتماعی قوت
 پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ بالآخر فرقہ بندی اور تفرقہ پروری کی یہی زندگی ایسی موت

کی طرف لے جاتی ہے جو قرآن کی اصطلاح میں کفر کی موت ہے۔ اسی فلسفے کی وضاحت حضور علیہ السلام نے یوں فرمائی ہے:

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ
شَدَّ شَدَّ إِلَى النَّارِ لَه
اجتماعی وحدت کو اللہ تعالیٰ کی تائید
حاصل ہوتی ہے جو کوئی اس سے جدا
ہوگا دوزخ میں جا کرے گا۔

فرقہ بندی زباں کاری ہے | آج شومی قسمت سے حالت یہ ہو گئی

ہے کہ ملت اسلامیہ مختلف طبقوں اور فرقوں میں منقسم ہو کر اپنے اپنے مسلک کے تحفظ کو اسلام کی سلامتی اور استحکام کا ضامن گردان رہی ہے۔ ہر مسلک کے پیرو اس حقیقت سے کئی طور پر اغماض برت رہے ہیں کہ اگر خدا نخواستہ دشمن کے ہاتھ اسلام کے دامن تک پہنچ گئے اور ظالم بدین محمد عربیؐ کی ملت کو اجتماعی طور پر کوئی گزند پہنچ گیا تو تمہارے مسکوں اور فرقوں کو کون سلامتی کی ضمانت دے گا؟ قرآن حکیم کا فلسفہ منقسم ہمیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اس امر کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ باہمی انتشار و تفرقہ سے احتراز کر کے از سر نو اپنی شیرازہ بندی کی تدبیر کریں۔ کہ یہی عاقبت اور سلامتی کا راستہ ہے۔ قرآن نے باہمی جدل و پیکار کو یہودیت کا تصور حیات قرار دیا ہے۔ تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جن اسباب کی بنا پر یہودیوں پر اوبار و انحطاط اور عالمگیر تباہی کے سائے مسلط کر دیئے گئے تھے۔ اگر وہی اسباب امت مسلمہ میں مجتمع ہو گئے تو پھر یہ بات یقینی سمجھ لیجئے کہ ویسی ہی بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر تباہی تمہارا مقدر بن سکتی ہے۔ یہ کوئی زبانی نظریہ نہیں بلکہ قرآنی اعلان اور تاریخی مشاہدے کی بات ہے کہ باہمی اختلاف و نزاع اور تفرقہ پروری کے نتیجے

میں قوموں کا وقار بچر وح اور رعب و دبدبہ ختم ہو جاتا ہے اور دشمنوں کی نظر میں ان کی حیثیت بالکل گر جاتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

فَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا
وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ. ۱۰

پس اختلاف میں نہ پڑو اس طرح تم
بزدل بن جاؤ گے اور تمہاری ہوا

اکھڑ جائے گی۔ (دبدبہ ختم ہو جائیگا) +
اس قرآنی اعلان کی تائید ہمیں زوالِ خلافتِ بغداد کی تاریخ سے مکمل طور پر
میسر آتی ہے۔

فرقہ پرستی کی تنگناؤں
میں بھٹکنے والے

زوالِ خلافتِ بغداد۔ ایک تاریخی جائزہ

ناماقتت۔ اندیشِ مسلمان کے لیے زوالِ بغداد کی تاریخ عبرتناک منظر پیش کر رہی ہے
اور زبانِ حال سے پھکار پھار کر کہہ رہی ہے

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو
میری سنجو گوشِ حقیقتِ نیش ہے

۶۵۶ھ کا دور تھا۔ خلافتِ عباسیہ اپنے آخری سانس پورے کر رہی تھی
خلیفہ وقت مستنصر باللہ کا وزیر اعظم ابنِ علقمی شیعہ مسلک رکھتا تھا۔ فرقہ پرستی
کا بازار گرم تھا اور مسکوں کی باہمی کشمکش اور آویزش اپنے عروج پر تھی۔ بغداد
کے گلی کوچے منگھڑوں اور بحث و تکرار کا مرکز بن چکے تھے۔ وزیر اعظم کی سیاست
شیعہ مسلک کے گرد گھومتی تھی۔ جب کہ خلیفہ کا بیٹا ابو بکر سنی عقائد کا نقیب
تھا۔ دونوں فرقے باہم دست و گریباں تھے اور سارا بغداد تفرقے کی آگ میں جل
رہا تھا۔ اس اندرونی خلفشار سے مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوتی گئی اور نوبت

یہاں تک آپہنچی کہ منگولوں اور تاتاریوں کا فتنہ اسلامی خلافت کی سرحدوں پر
مٹلانے لگا۔ ہلاکو کے طوفانی دستے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
سیلاب کی طرح بڑھے اور دیکھتے دیکھتے بغداد کی عظیم سلطنت کو خس و خاشاک
کی طرح بہا کر لے گئے۔ تاتاریوں نے عظیم الشان اسلامی تہذیب تمدن کی ریش
شمعوں کو آن واحد میں گل کر دیا۔ ظلم و بربریت کے وہ پہاڑ توڑے کہ ایک
اندازے کے مطابق بیس بائیس لاکھ افراد تہ تیغ کر دیئے گئے اور دریائے دجلہ کا
پانی تین دن تک اُن کے خون سے سُرخ رہا۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق
تاتاریوں کو بغداد پر حملے کی دعوت بھی کچھ ناقابت اندیش مسلمانوں نے ہی
اپنے فرقہ وارانہ تعصب کی آگ بجھانے کی خاطر دی تھی ورنہ خلافت بغداد
کا دبدبہ باوجود سیاسی کمزوری کے چار دانگ عالم پر چھایا ہوا تھا اور کسی کو
اسلام کے اس مرکز پر حملہ کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اس رستاخیز بربریت کے عالم
میں شیعہ اور سُنی دونوں یکساں طور پر تاتاریوں کی چیرہ دستیوں کا نشانہ
بنے اور ان کی عبادت گاہیں 'مسجیدیں' محراب و منبر اور علمی مراکز تباہ و برباد
کر دیئے گئے۔ تاریخ کی زبان صرف زوالِ بغداد کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ
دوسرے حوالوں سے بھی ہمکلام ہو رہی ہے کہ جب بھی دشمن کو اہل اسلام پر غلبہ
حاصل ہوا اس کا ہدف کوئی خاص مسلک نہ تھا بلکہ بلا امتیاز سب مسلمان
تھے۔ افغانستان میں روس کی فوج کشی ہو یا فلسطین و لبنان میں جنگیاز اسرائیل کی
خون آشامی دونوں کا نشانہ مسلمان ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی فرقہ یا مسلک سے تعلق
رکھتے ہوں۔ اگر خدا نخواستہ سرزمینِ پاک پر دشمن کے قدم پہنچ گئے اور وہ اپنے نیچے
گاڑنے میں کامیاب ہو گیا تو ہمارا بھی حشر دوسروں سے مختلف نہ ہوگا۔ پھر جو
تباہی ہوگی اس میں نہ کوئی بریلوی یح کے گانہ دیوبندی نہ کوئی اہمذیت اور نہ کوئی شیخ۔

اُمّتِ مصطفویٰ کے لیے مؤثر بنانے اتحاد کیلئے؟

مسلمان اپنے تشخصات کے باوصف اگر ایک مرکز پر باہم متحد ہونا چاہیں تو ان کے اشتراک کی بنیاد صرف اور صرف حضور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط غلامی و محبت، مخلصانہ اطاعت و وفاداری اور آپ کی سنت و سیرت کی مکمل پیروی اور اتباع ہے۔ محض عقیدہ توحید کی بنیاد پر مسلمانوں کا اتحاد ممکن نہیں کیونکہ خدا کے پرستار تو یہودی اور دیگر الہامی مذاہب کے پیروکار بھی ہیں۔ عقیدہ توحید کے دعویٰ دار وہ بھی ہیں مگر وہ نسبت جو ہمیں اور ان کو دو الگ اُمتوں میں تقسیم کر رہی ہے۔ صرف نسبت نبوی ہے اور یہی حقیقی توحید کا عملی تشخص ہے ہم صرف اُمّتِ مصطفویٰ کے حوالے سے عیسائیوں اور یہودیوں سے متمیز ہیں۔ صرف یہی وہ بنائے محکم ہے جس پر شرق و غرب کے مسلمانوں کو باہم متحد اور منظم کیا جاسکتا ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے یہ اعلان کر دیا ہے:

من اطاع محمداً فقد	جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
اطاع اللہ ومن عصی محمداً	اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی
فقد عصی اللہ و محمد	اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی
فرق بین الناس لہ	کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور محمد
	لوگوں (کافر و مومن) کے درمیان وجہ امتیاز ہیں۔

تفرقہ بازوں کے ساتھ انقطاع تعلق کا حکم :

ایک مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا جبار ہے
 اِنَّ الَّذِيْنَ فَزَعُوْا
 بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے
 دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيْعًا
 دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی گروہ ہو گئے
 لَسْتُ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ
 (محبوب) آپ کا ان سے کوئی علاقہ
 (تعلق) نہیں۔

اس آیت کریمہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ آپ
 ایسے لوگوں سے کوئی سروکار اور تعلق نہ رکھیں جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے
 کر کے اپنی جمعیت کا شیرازہ منتشر کر ڈالا۔ اس سے بڑھ کر فرقہ پرستی کی مذمت
 اور کیا ہوگی۔ فریقین کے درمیان تعلق کا ٹوٹنا کبھی ایک فریق کی جانب سے ہوتا
 ہے اور کبھی دوسری جانب کا سا طیر قرآنی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر ایسا ہوا
 ہے کہ پہلی امتوں کے لوگوں نے اپنی بد اعمالیوں کی بنا پر خود اپنے نبی سے اپنا
 تعلق منقطع کر لیا اور وہ فسق و فجور اور کفر و طغیان کے اندھیروں میں بھٹک گئے۔
 لیکن یہ بد بختی کی انتہا ہے کہ امت کے لوگ اخلاقی بے راہروی میں اس حد تک
 ملوث ہو جائیں اور دین کی اصل تعلیم سے اس طرح ہٹ جائیں کہ ان کا نبی حکم
 خداوندی سے خود ان امتوں سے قطع تعلق کر لے۔ یہ اتنی بڑی حراما نصیبی ہے کہ
 جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ذرا غور کیجئے، فرقہ پرستی کو قرآن نے کیسی بد بختی سے تعبیر کیا ہے۔ دینی دہشت
 کو پارہ پارہ کرنا اور باہمی نفرت و انتشار کو ہوا دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس
 کی پاداش میں نبی خود ایسے امتوں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ گویا امت کا تعلق

اپنے نبی کے واسن سے اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب تک امتی اپنے آپ کو ایک وحدت کی لڑی میں منسک رکھیں۔

تفرقہ پروری نگاہ نبوت میں

بلی شیرازے کو تفرقہ و انتشار کے ذریعے تباہ کرنے والوں کے لیے نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے انتہائی سخت احکامات صادر فرماتے ہیں۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَنْ آتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ
جَمِيعٌ يُرِيدُ أَنْ يَفْرِقَ جَمَاعَتَكُمْ
فَأَقْتُلُوهُ

جو شخص بھی تمہاری جماعت کی وحدت اور شیرازہ بندی کو منتشر کرنے کے لیے قدم اٹھائے اُس کا سر قلم کر دو۔

بلی شیرازہ بندی کو نقصان پہنچانے والوں کا جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر قلم کر دینے جلنے کا حکم دیا ہے وہیں اُن کی پہچان اور اندازِ فکر و عمل بھی شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے تاکہ ہر دور میں فتنہ پرور اور انتشار پسند عناصر کی پہچان ہوتی رہے۔

عن حذيفة بن اليمان
قال قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم ان مما احاف عليكم
رجل فترأ القرآن حتى اذا
رؤيت بهجته عليه و كان
رداوة الاسلام اعتراه الف
ما شاء الله انسلخ منه و
نبذه وراء ظهره وسعى على

حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے
بلے میں مجھے جن امور کا اندیشہ ہے
ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک ایسا
آدمی (عالم) ہوگا جو قرآن بہت پڑھے
گا۔ حتیٰ کہ وہ قرآن کی رونق سے پورے
طور پر سیراب ہوگا۔ اُس کا اوڑھنا بچھونا
بھی اسلام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے کسی

ملنے حافظ ابن حجر عسقلانی۔ بلوغ المرام۔ ص ۱۵۲

ایسے عیب یعنی زعم میں مبتلا کر دے گا
کہ قرآنی اثبات اس سے جدا ہو جائیں
گے۔ پھر وہ شخص قرآن کو پس پشت
ڈال کر اپنے معاشرے میں قریب جوار
کے مسلمان لوگوں کو مشرک قرار دے
گا اور ان کے قتل کے درپے ہوگا۔

جَارَهُ بِالسَّيْفِ وَرَمَاهُ بِالشَّرْكِ
قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰه
اِيْهَمَا اَوْلٰى بِالشَّرْكِ الْمَرْءِ
اَوِ التَّرَاكُمُ تَلْدُ بَلْبُ
الرَّاحِ

۱

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں میں نے
سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان دونوں میں سے فی الواقع مشرک
کون ہوگا۔ مشرک کہنے والا یا وہ جس
کو مشرک کہا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ دوسرے کو مشرک کہنے والا
خود مشرک ہوگا۔

یہ حدیث مستدرک ابویعلیٰ میں روایت کی گئی ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام بیہقی
بن معین اور دیگر کئی محدثین نے اس کے راویوں کو ثقہ اور معتبر قرار دیا ہے
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے
کے لیے کافی ہے جو اپنی دینداری اور پارسانی کے زعم میں دوسروں کو بے دین
اور مشرک قرار دیتے رہتے ہیں اور اس طرح اپنے انتہا پسندانہ طرز عمل سے
مسلمانوں میں تفرقہ و انتشار پیدا کر کے امت واحدہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے
درپے رہتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو ان کے انتہا پسندانہ

۱ تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۳۶۵ مطبوعہ مصر

طرز فکر و عمل کی وجہ سے مشرک قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ایسے لوگوں کے بارے میں جو ملت کا شیرازہ منشر کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے فرعونہ عزائم کی تکمیل کے لیے آیات قرآنی کی معنوی تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ ان قرآنی آیات کو جو کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں بڑی بے باکی اور بے تکلفی سے عام مسلمانوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔

ابن عمرؓ ان لوگوں کو مخلوقِ خدا میں سب سے زیادہ شریعہ تصور کرتے اور فرماتے تھے کہ یہ ان قرآنی آیات کو جو کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں بڑی آزادی اور جرأت مندی کے ساتھ مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

وصكان ابن عمروؓ يراهم
شوار خلق الله وقال
انهم انطلقوا الى
آيات نزلت في الكفار
فجعلوها على المؤمنين
ل

ارشادِ خداوندی ہوتا ہے۔

ملی شیرازہ بندی کی تعلیم

”اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی کہ جہان کے پاس روشن نشانیاں آچکی تھیں۔“

یہاں بھی قرآن حکیم ملی وحدت اور ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کی تعلیم دے رہے اور بھی متعدد مقامات پر ایسے احکام صادر ہوئے ہیں جن میں

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ
تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ
بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ
الْبَيِّنَاتُ ط ل

مسلمانوں کو تفرقہ و انتشار سے اجتناب کرنے اور اتحاد و یکجہتی کو فروغ دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ اب غور طلب سوال یہ ہے کہ جب قرآن کی نظر میں فرقہ پرستی اتنی قابلِ مذمت اور انتشار و افتراق کی راہ ہے اور جب ہم سب اس سے متنفر ہیں تو یہ لعنت کیوں ہمارے ملی وجود کو دیک کی طرح کھوکھلا کر رہی ہے۔ وقت آن پہنچا ہے کہ ہم فرقہ پرستی کی زبانی مذمت پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ اس کے خاتمے کے لیے ایسا لائحہ عمل اختیار کریں جس پر سب مسالک اور مکاتبِ فکر متفق ہو سکیں۔ اور ادائیگی اور اسلام کی ملی وحدت کی یاد کو پھر سے تازہ کر سکیں۔

دورِ جاہلیت اور تفرقہ پروری

قبل از اسلام کا زمانہ دورِ جاہلیت اس لیے کہلاتا ہے کہ اس میں

لوگ قبیلوں، گروہوں اور نسل در نسل طبقاتوں میں بٹے ہوئے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ بہمیت اور درندگی اپنے عروج پر تھی اور انسانیت جبر و استبداد کی چکنی میں پس رہی تھی۔ ایران اور روم اس وقت کی دو سپر پاورز تھیں جو بے بس انسانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے ہوئے تھیں۔ اسلام نے اگر مجبور و مقهور انسانوں کو ظلم و مذلت سے نکالا اور تہذیب و تمدن کی وہ روشن شمعیں عطا کیں جن کی چمکا چوند سے مشرق و مغرب کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ تفرقہ پروری کی فضا ٹھٹ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عالمگیر معاشرہ وجود میں آگیا جس نے رنگ نسل اور مذہب کے سب عصبیتی امتیازات کو طیسر مٹا دیا اور باہمی اخوت و محبت کا انقلابی نظارہ چشمِ فلک کو دکھا دیا۔ ارشادِ ایزدی:

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً
اور اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت یاد رکھو
جو اس نے تم پر فرمائی جب کہ تم آپس میں

دشمن تھے۔ پس اس نے تمہارے دلوں
میں الفت پیدا کر دی تو تم اس کے
احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔

فَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
مَا صَبَحْتُمْ بِنِعْمَةٍ
إِخْوَانًا

آخر جزیرہ نمائے عرب
میں کوہِ فاران کی چوٹیوں

بعثتِ محمدی اور معجزہ وحدتِ اخوت

سے اس نورِ کامل کا ظہور ہوا جس نے اُجڑ اور اکھڑ صحرائے شامینوں کی کایا پلٹ دی۔
اور وہ لوگ جو زبردست تعصب اور انتشار کا شکار تھے اور جن کا زیادہ وقت
قتل و غارت گری، لوٹ مار اور ایک دوسرے کی عزت و آبرو لوٹنے میں گزرتا
تھا۔ اس قدر باہم شکر و شکر ہو گئے کہ اس کی مثال تاریخِ انسانی میں کہیں نہیں
ملتی۔ یہ عظیم النظیر معجزہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ سے رونما
ہوا۔ آج بھی عقلیت پرست دنیا انگشت بندوں ہے کہ یہ عظیم انقلاب کیسے
برپا ہو گیا۔ جس کی بنیاد وحدتِ نسلِ آدم اور اخوت و محبت کی آفاقی قدروں پر
قائم تھی۔ اسی معجزے کا ذکر قرآن یوں کر رہا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے
دشمن تھے۔ نعمتِ ایزدی یعنی بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تمہاری
عداوتیں محبتوں سے بدل گئیں۔ تمہاری نفرتیں الفتوں سے بدل گئیں۔ تمہاری
تنگ نظریاں، قلبی وسعتوں سے بدل گئیں اور تم آپس میں متحد ہو کر یوں شکر و شکر
ہو گئے کہ تمہارے باہمی رشتے خونی اخوت کے رشتوں سے بھی مضبوط تر ہو گئے۔
ایک دوسرے کی جان لینے والے، ایک دوسرے کی جانوں کے محافظ بن گئے۔
دوسروں کی عزتوں سے کھیلنے والے دوسروں کی عزتوں کے نگہبان بن گئے۔ پھر
تمہاری عزتیں ایک عزت میں گم ہو گئیں، تمہاری محبتیں ایک محبت میں گم ہو گئیں۔
اور بالآخر تمہاری منتشر و فاداریاں بھی ایک وحدت میں بدل گئیں۔

ایک ضروری وضاحت

یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ خدا و رسول نے کسی بھی فرقے

اور مسک کے نام پر جنت کا پروانہ جاری نہیں کیا۔ اگر کوئی اس زعم میں مبتلا ہو کہ وہ بعض فلاں مسک سے متعلق ہونے کی بنا پر جنت کا حقدار ہے تو یہ اس کی خام خیالی اور خود فریبی ہے۔ ایسے تصورات کے پیچھے یہودیوں کی وہی نفسیات کار فرما ہوتی ہے جس کے تحت وہ کہتے تھے کہ جو یہودی ہو گیا اسے جنت کی ضمانت مل گئی جس کی شہادت قرآن حکیم نے یوں فرام کی ہے۔

وَتَالُوا لَنْ يَدْخُلَ
الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ
هُودًا اَوْ نَصْرًا يَتْلُو
اٰمٰنِيْهُمْ قُلْ هٰكُلُوْا
مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ
اِنَّ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

اور انہوں نے کہا کہ جنت میں کوئی بھی داخل نہ ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو گیا۔ یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں۔ آپ انہیں فرمائیے کہ کوئی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

بخشش اور مغفرت کا دار مدار کسی طبقے یا فرقے کے عنوان کی بنیاد پر نہیں بلکہ ہر شخص کے ذاتی عقیدے اور عمل صالح کے باعث خدا کے فضل و کرم پر ہے نجات کی کوئی یہ نہیں کہ وہ کس فرقے میں سے ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ خدا و رسول کی تعلیمات کے کتنا قریب ہے۔ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت میں کس قدر سچا ہے اور اپنے فکر و عمل سے دین اسلام کا کس قدر متبع اور وفادار ہے! یہ حقیقت ہے کہ وحدتِ ملی کے تصور کو فرقہ پرستی کے ہاتھوں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔ یہ لعنت ہماری زندگی کے لیے زہرِ ہلاہل کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ ہم نے اپنے علمی اختلافات و نزاعات

کا موضوع بھی ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ موضوع اختلاف کیوں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات جس سے کامل محبت اور غیر مشروط غلامی و وفاداری کا رشتہ عین ایمان ہے جو رنگ و نسل پر مبنی تفاق و عصبيت کے تمام تہوں کو توڑنے اور نبی نوع انسان کو نشئت و افتراق سے نجات دے کر ایک دینی وحدت کی لڑی میں پڑنے کے لیے منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوتی تھی۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہی ذات آج اپنے نام لیواؤں کے مابین اختلاف و نزاع کا موضوع بنی ہوئی ہے۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ بارگاہِ مصطفویت سے وابستگی کو بنائے اتحاد بنانے کی بجائے مسلمان اُسے باہمی تفرقہ مغائرت، مخاصمت اور نفرت کے شعلوں کی ہڑا دینے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

برین عقل و ہمت باید گریست

کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو محلِ اختلاف بناتا ہے، کوئی آپ کی حقیقت و حیثیت کو، کوئی آپ کے علم و عرفان کو محلِ اختلاف بناتا ہے۔ کوئی آپ کے تصرف و قوت کو، کوئی آپ کی شفاعت و غایت کو محلِ اختلاف بناتا ہے، کوئی آپ کی سنت و سیرت کو۔ کوئی آپ کے نام کو محلِ اختلاف بناتا ہے اور کوئی آپ کے مقام کو۔

برادرانِ اسلام! آئیے کم از کم ایک عہد تو ہم سب مل کر کریں کہ اختلافات کے ہزاروں دائرے ہو سکتے ہیں۔ ان میں حسبِ ضرورت طبع آزمائی کر لیں گے۔ مگر ذاتِ مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر ایک کی محسن ہے بلکہ محسن کون و مکان ہے، اُسے محلِ نزاع و اختلاف بنانے سے گریز کریں گے۔ مسلمانوں کے مابین خدا

رسول دین، قرآن اور کعبہ پر کوئی اختلاف و نزاع گوارا نہیں کیا جانا چاہیے۔
اتحاد و اخوت کے فروغ اور فرقہ پرستی کے خاتمے کا ممکنہ لائحہ عمل

اتحاد و اخوت کے فروغ اور فرقہ پرستی کے خاتمے کے لیے درج ذیل اصول و ضوابط پر مشتمل ایک ہم گیر لائحہ عمل تیار کیا جانا چاہیے۔

۱) عقائد و اعمال کے مشترک پہلو اور بنائے اتحاد۔

۲) مثبت اور غیر تنقیدی اسلوب تبلیغ۔

۳) حقیقی رواداری کا عملی مظاہرہ اور عدم اکراہ کا قرآنی فلسفہ۔

۴) دینی تعلیم کے لیے مشترک اداروں کا قیام۔

۵) علمائے جدید عصری تعلیم کا انتظام۔

۶) تہذیب اخلاق کے لیے مؤثر روحانی تربیت کا انتظام۔

۷) فرقہ پرستانہ سرگرمیوں کے خاتمے کے لیے چند قانونی اقدامات
 ا۔ منافقانہ اور خفیہ فرقہ پرستی کی حوصلہ شکنی۔

ب۔ تمام مسکاتب فکر کے مانندہ علمائے پر مشتمل قومی سطح کی سپریم کونسل کا قیام۔

ج۔ ہنگامی نزاعات کے حل کے لیے سرکاری سطح پر مستقل مصالحتی کمیشن کا قیام۔

د۔ مذہبی سطح پر منفی اور تخریبی سرگرمیوں کے خلاف عبرتناک تعزیرات کا نفاذ۔

اب مذکورہ بالا لائحہ عمل پر ذرا تفصیلی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

①

عقائد و اعمال کے مشترک پہلو اور بنائے اتحاد





یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بنیادی اعتقادی قدریں سب مشترک ہیں۔ اسلامی عقائد کا سارا نظام انہی مشترک بنیادوں پر کھڑا ہے۔ مسلمانوں میں سے کوئی بھی کسی اور نبی یا رسول کی شریعت کا نہ انکار کرتا ہے نہ اسلام کے سوا کسی اور دین کو ماننا ہے۔ سب مسلمان توحید و رسالت وحی اور کتب سماوی کے نزول، آخرت کے انعقاد، ملائکہ کے وجود حضور کی خاتمیت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت وغیرہ جیسے معتقدات اور اعمال پر یکساں ایمان رکھتے ہیں اور اگر کہیں کوئی اختلاف ہے تو صرف فرعی حد تک اور وہ بھی ان کی علمی تفصیلات اور کلامی شروحات متعین کرنے میں ہے۔ اس سے عقائد اسلام کی بنیادوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سب سے پہلی اسلامی ریاست کا قیام | ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ

منورہ تشریف لاتے تو اس وقت مدینے کا معاشرہ بالعموم مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں پر مشتمل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت اور قائدانہ حکمت عملی سے ان مختلف انیال عناصر اور متضاد نظریات رکھنے والے طبقوں کو مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست کی تاسیس و قیام کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ منشا صرف یہ تھا کہ اس پہلی اسلامی ریاست کی بقا و سالمیت کا فریضہ باہمی اشتراک عمل سے سب کو منظم کر کے سرانجام دیا جاسکے تاکہ ریاست کو اندرونی سطح پر کمر سے لم مشکلات کا سامنا ہو۔

قرآن مجید اس دعوت کو اس طرح بیان کر رہا ہے۔

قَدْ يَا هَذَا كِتَابٍ
تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ لَ
آپ فرمائیے اہل کتاب
آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور
تمہارے درمیان یکساں ہے۔

یہ قرآنی خطاب اہل کتاب بالخصوص یہود سے تھا کہ آؤ اس عقیدے کی
بنیاد پر سب اکٹھے ہو جاؤ جو تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان قدر مشترک ہے
اور وہ عقیدہ توحید اور ردِ شرک ہے جس پر سب الہامی مذاہب کے پیروکار متفق
ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں چنانچہ اس دعوتِ اتحاد کے نتیجے میں پہلی اسلامی ریاست
وجود میں آئی جس کا دستور "ميثاقِ مدینہ" کے نام سے موسوم کیا گیا اور یہ اتحاد
اس وقت تک عملاً قائم رہا جب تک یہود خود اس کی خلاف ورزی کے
مرتب نہیں ہوئے۔ اگر اسلامی ریاست کے استحکام کی خاطر غیر مسلموں یعنی
یہودیوں اور عیسائیوں کو ایک نقطہ اشتراک کی بنیاد پر دعوتِ اتحاد دی جاسکتی
ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایک خدا، ایک نبی اور ایک کتاب ایک دین اور ایک کعبہ
کے ماننے والوں کے درمیان اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اتحاد و یگانگت کے لازوال
رشتے قائم نہ کئے جاسکیں اور ملتِ واحدہ کا تصور ایک زندہ جاوید حقیقت نہ
بن سکے۔ لیکن یہ کتنی حیران کن نصابی ہے کہ آج فرزندِ انبیاؑ توحید آقائے دو جہاں کی اس
سنت سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ فرقہ بندی کی عصبیت سے وہ راست
سے بھٹک گئے اور انتشار و افتراق کی گمراہ کن راہوں میں کھو گئے ہیں انہیں اتنا
بھی یاد نہیں رہا کہ ان کے ماہین سب بنیادی قدریں مشترک تھیں۔ اسلام کی بلاوتی
اور حاکمیتِ مصطفویٰ کے آگے ظاہراً تسلیم خم کرتے ہوئے یہودیوں نے بھی
آقائے نادر کی دعوتِ اتحاد کو سیاسی مصلحتوں کی خاطر ہی سہی قبول کر لیا تھا۔

لیکن آج کے مسلمان تو عملاً یہود سے بھی آگے گزر گئے ہیں کہ اپنے گرد ہی 'مسکلی' جماعتی اور طبقاتی مفادات کی خاطر انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و حدت کا اتنا بھی پاس نہیں رہا کہ اسلام کی کشتی میں سوار ہر فرقہ کشتی ملت کے تختوں کو اکھاڑ اکھاڑ کر سمندر میں پھینک رہا ہے اور کسی کو اتنا بھی خیال نہیں کہ اگر خدا نخواستہ یہ کشتی ڈوب گئی تو وہ بھی سب اس کے ساتھ غرق ہو جائیں گے۔ یاد رہے کہ اصول توحید کی بنا پر دعوت اتحاد اسلام نے غیر اسلامی الہامی مذاہب یا خصوصاً یہودیت کو دی تھی۔ انہیں رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کی دعوت اس لیے نہیں دی جاسکتی تھی کہ یہی ان کے اور اسلام کے باہر تفریق تھی۔ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی نبوت کے وفادار ہو جاتے تو یہودی کس طرح رہ سکتے تھے۔ لہذا کسی ایسے اصول کو ہی دعوت کے لیے اپنایا جاسکتا تھا جس کے ذریعے وہ یہودی رہتے ہوئے بھی اس اتحاد میں شریک ہو سکتے اور وہ اصول خدا پرستی کا عقیدہ تھا جس کے دونوں دعویٰ راستے تھے۔ جہاں تک مسلمانوں کے باہر اتحاد کا تعلق ہے اس کے لیے عقائد و اعمال کی ساری بنیادیں مشترک ہیں توحید رسالت ختم نبوت آخرت قرآن اور وحدت کعبہ سے لے کر ارکان اسلام تک سب کچھ مشترک ہے اور ان میں امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا وہ لازوال باہمی رشتہ بھی موجود ہے جو بیک وقت مسلمانوں کے لیے بنائے اتحاد و یگانگت اور غیر مسلموں کے لیے بنائے امتیاز و مفارقت ہے۔ آخر ان اقدار کی بنا پر ملت اسلامیہ کیوں ایک وحدت نہیں بن سکتی؟



۲

ثبوت اور غیر ثبوتی اسلوب بیان



اس ضمن میں بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تبلیغ کے لیے موضوع کیا ہونا چاہیے اور کون سا انداز و اسلوب اختیار کیا جائے جسے دعوت و تبلیغ کے کاموں کو مربوط اور مشترک بنیادوں پر سرانجام دینے کے لیے تمام مسالک و مکاتب فکر یکساں طور پر اپنا سکیں۔

تبلیغی کام کو درج ذیل
موضوعات کے ساتھ مختص

دعوت و تبلیغ کے موضوعات

کر دینے سے فرقہ وارانہ کشیدگی، طبقاتی تناؤ اور باہمی اویزش کو ختم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

۱۔ اعتقادی زندگی کے اصلاح طلب پہلو۔

ب۔ عملی زندگی کے اصلاح طلب پہلو۔

ج۔ اخلاقی و روحانی زندگی کے اصلاح طلب پہلو۔

عقیدہ ہر انسان یا انھوں
مسلمان کے تمام اعمال

۱۔ اعتقادی زندگی اصلاح طلب ہے

کی اسس ہوتا ہے۔ اس میں بگاڑ یا اختلال واقع ہو جاتے تو اس کے اثرات پوری زندگی کے انحال و اعمال پر مترتب ہوتے ہیں۔ بھلا اللہ مسلمانوں کے تمام مسالک اور مکاتب فکر میں عقائد کے بارے میں کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں ہے البتہ فردی اختلافات صرف جزئیات اور تفصیلات کی حد تک ہیں جن کی نوعیت تعبیری اور تشریحی ہے۔ اس لیے تبلیغی امور میں بنیادی عقائد کے دائرہ کو چھوڑ کر محض فروعات و جزئیات میں اُکھ جانا اور ان کی بنیاد پر

دوسرے مسلک کو تنقید و تفسیق کا نشانہ بنانا کسی طرح دانشمندی اور قرین انصاف نہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہمارے عقائد مردہ اور بے جان ہو چکے ہیں۔ انہیں ہماری عملی زندگی میں توہمات سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں دیا جا رہا۔ عقیدہ توحید ہو یا عقیدہ رسالت، تصور آخرت ہو یا تصور جزا و سزا ان میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ ذہن عقائد کے بارے میں بھی پراگندہ خیالی اور تشکیک کا شکار ہیں۔ قلوب و اذہان کو مومنانہ یقین میسر نہیں خدا پر ایمان رکھنے کے باوجود اس پر بھروسہ اور توکل باقی نہیں رہا۔ ہم عقائد کا تحفظ کلامیات اور مناظرانہ استدلال سے کرتے ہیں جو زندگی کو دولت یقین عطا نہیں کر سکتا۔ کتاب و سنت کے قابل عمل اور عصر حاضر میں نتیجہ خیز ہونے پر بھی ہمارا ایمان متزلزل ہو چکا ہے۔ ہم کفر کے مقابلے میں اسلام اور باطل کے مقابلے میں حق کے کامیاب و کامران ہونے پر بھی اعتقاد ختم کر بیٹھے ہیں۔ الغرض ہمارے عقائد کا سارا ایوان متزلزل اور ڈالواں ڈول ہے لہذا اس وقت ہمیں عقائد کے کلامیاتی پہلوؤں پر زیادہ زور دینے کے بجائے عقائد کے ان ایمانیاتی اور انقلابی پہلوؤں پر زور دینا چاہیے جن سے مردہ عقائد پھر سے زندہ ہو جائیں اور ان کا تعلق حقیقی زندگی کے ساتھ پھر سے بحال ہو جائے تاکہ عملی زندگی ان عقائد کے اثرات و برکات سے صحیح معنوں میں فیضیاب ہو سکے۔ اگر علماء و خطباء اس رُخ پر توجہ کریں تو وہ خود محسوس کر لیں گے کہ اس انداز کی تبلیغ و تقریر بے شمار تنازعات اور اختلافات سے از خود پاک ہو جائے گی اور اگر وہ بعض اوقات عقائد کے بعض پہلوؤں کی وضاحت میں علمی اختلاف کو ناگزیر سمجھیں تو ان کا بیان بھی محض مثبت طریقے سے کتاب و سنت کی روشنی میں اس طرح کر دیا جائے کہ کسی

دوسرے مکتب فکر کا نقطہ نظر موردِ مہم نہ بنے۔

اعتقادی زندگی کے بعد عملی زندگی
ہماری خصوصی توجہ کی محتاج ہے

ب۔ عملی زندگی اصلاح طلب ہے

ہمارے موجودہ اعمال کی حقیقت ہم سے ڈھکی چھپی نہیں۔ مسلم معاشرہ کس حد تک
مسلسل بگاڑ کا شکار ہو چکا ہے یہ ہم سب کے لیے لمحہ فکر یہ ہے۔ انفرادی سطح
ہو یا اجتماعی سطح ہماری عملی زندگی کا کون سا گوشہ ہے جو فساد اور بدعنوانیوں کی زد
میں نہیں ہے۔ قول و فعل میں تضاد، منافقت، ریاکاری، تصنع، کذب و افتراء

روزمرہ معاملات میں فریب دہی، عیاری، مکاری اور چال بازی نے ہماری
پوری کی پوری زندگی کو اپنی پیٹ میں لے رکھا ہے۔ تبلیغ کے لیے یہ ایک ایسا
موضوع ہے جس پر کسی مسک کے درمیان اختلاف کی گنجائش نہیں۔ اصلاح معاشرہ

کا اجتماعی فریضہ تمام فرقوں کے مسلمانوں پر بلا لحاظ مسک و عقیدہ یکساں طور
پر عائد ہوتا ہے۔ معاشرتی اور سماجی برائیوں اور خرابیوں کے خلاف ہمہ گیر
جہاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔ جس میں مسک سے قطع نظر تمام مسلمانوں کو
مل کر حصہ لینا چاہیے۔ لہذا تبلیغ و تقریر کا دوسرا موضوع یہ ہو جانا چاہیے کہ
ہماری زندگی کا بگڑا ہوا بلکہ تباہ شدہ عملی ڈھانچہ کس طرح سنوارا جاسکتا ہے؟

اجتماعی سطح پر اخلاقیات اور
روزمرہ عادات و اطوار کے

ج۔ اخلاقی زندگی اصلاح طلب ہے

اعتبار سے ہماری زندگی اس قدر انحطاط اور زبوں حالی کا شکار ہو چکی ہے
اور ہماری اخلاقی و روحانی اقدار اس درجہ اتھل پتھل ہو چکی ہیں کہ آج کی
نسل کا اسلام سے بیزار ہو کر برگشتہ ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ مذہبی لبادہ
اور مٹھے ہوئے اخلاق و شرافت اور انسانی قدروں کے دعویدار ہوں یا دینیوی

جاہ و منصب پر فائز ایشیا و قربانی کا درس دینے والے زعماء، آپ اگر ان کے باطن میں جھانکیں تو اَلَا مَآ شَاءَ اللّٰهُ وہ خود غرضی، جاہ طلبی، خواہشاتِ نفسانی اور ان تمام آلائشوں میں ملوث نظر آئیں گے جو انسانیت کے دامن پر بدنامی داغ ہیں۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جدید نسل کی بڑھتی ہوئی گمراہی اور بے راہ روی کے ذمہ دار اتنے اتحاد و لادینیت کا پرچار کرنے والے نہیں جتنے کہ اسلام کی تبلیغ کرنے والے مبلغ اپنے کردار کی گراؤٹ اور فکر و عمل کے تضاد کی وجہ سے ہیں۔ لہذا اولین ضرورت یہ ہے کہ اصلاح کے ان پہلوؤں کو ممنوع تبلیغ بنایا جائے۔

اسلام کی حکیمانہ تعلیم

قرآن حکیم میں باری تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرماتے ہیں۔

اُدْعُ اِلَی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ ۗ

”اے محبوب اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور عمدہ نصیحت سے بلائیے اور ان سے جدال بھی اس انداز سے کیجئے کہ جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو۔“

اس آیت کریمہ میں فروغِ اخوت کے لیے حکیمانہ پہلو یہ ہے کہ دعوت اور تبلیغ کا مقصد چونکہ برائیوں کی اصلاح اور اچھائیوں کی تلقین ہوتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب کسی شخص کی کسی برائی کی نشاندہی کی جائے، خواہ وہ اعتقادی ہو یا علمی و اخلاقی، تو وہ اُسے ناپسند کرتا ہے اور ردِ عمل کے طور

پر کبھی مخالفت بھی کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ خرابی کی اصل جڑ ”و نفس امارہ اور شیطنت“ ہوتی ہے۔ جو اصلاح کے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔

لہذا حکم یہ دیا گیا ہے کہ دعوت و تبلیغ میں انتہا درجے کی حکمت و موعظت پیش نظر رہنی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دعوت و تبلیغ میں معمولی سی بے حکمتی کے باعث اصلاح کی بجائے پہلے سے موجود اخوت اور دوستی کا رشتہ ہی کٹ جاتے۔ اس طرح تبلیغ فروغ اخوت کی جگہ فروغ نفاق کا سبب بن جاتے گی۔ اور یہ بات فی نفسہ ایک برائی ہے۔ سرور کائنات کی پوری زندگی اس آیت کی عملی تفسیر تھی۔ مسلمان تو درکنار کافروں اور مشرکوں سے بھی آپ کا رویہ اور طرز عمل انتہائی حکمت و موعظت اور فہم و بصیرت سے عبارت تھا۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ کافروں کے بتوں کو بھی گالی نہ دیں کہ رد عمل کے طور پر وہ بھی خدا اور رسول کی شان میں ویسے ہی نازیبا کلمات کہیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ
يَدْعُونَ مِنْ دُونِ
اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ
عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ

اور تم انہیں گالی نہ
دو۔ جن کی اللہ کے سوا یہ پرستش
کرتے ہیں۔ (کہیں ایسا نہ ہو) کہ
وہ بھی زیادتی کرتے ہوئے جہالت کی
وجہ سے اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں

۱۰۸ : ۶ الانعام

آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ کہ تبلیغ حق کے وقت رُکھن اور
 ابطالِ باطل کے باوجود کفار کے جھوٹے معبودوں کو گالی دینے پر قدغن لگائی
 جا رہی ہے۔ اس فرمانِ خداوندی کی تہہ میں حکمت یہ ہے کہ کفار بزرگم خویش
 اپنے آپ کو باطل پر نہیں سمجھتے۔ اگر آپ ان کے جھوٹے معبودوں کو گالی دینگے
 تو وہ جواب میں آپ کے سچے معبود پر دشنام طرازی کریں گے۔ عبداللہ بن عمر سے
 مروی ہے کہ ایک بار حضور نے صحابہ سے فرمایا۔ بد بخت ہے وہ شخص جو اپنے
 ماں باپ کو گالی دیتا ہے ”صحابہ نے دریافت کیا ”یا رسول اللہ ایسا کون ہے جو
 اپنے ماں باپ کو گالی دے“ حضور نے فرمایا کہ وہ شخص جو کسی دوسرے کے ماں
 باپ کو گالی دیتا ہے اور دوسرا جو ابّا اس کے ماں باپ کو گالی دے تو یہ سمجھ لے
 کہ وہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دے رہا ہے۔ ۱۷
 ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی پر لعنت بھیجتا ہے
 یا کفر کا طعنہ دیتا ہے۔ اور وہ اس کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت اور کفر
 خود اسی کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ ۱۸

۱۷ - حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم من الکبائر شتم الرجل والدیہ قالوا یا رسول اللہ و
 هل یشتتم الرجل والدیہ قال نعم یسب ابا الرجل فیسب اباہ ویسب
 امہ فیسب امہ - (مشکوٰۃ المصابیح، ۴۱۹، باب البر والصلہ)
 ۱۸ - عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم ایما رجل مسلم کفر رجلاً مسلماً فان کان کافراً والا کان هو الکافر۔
 (ابوداؤد ۲: ۲۸۸)

ایک مشہور حدیث ہے جسے امام ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں
 راج کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا۔
 جب کوئی مبلغ جس کا سونا جاگنا اور اڑھنا بچھونا سب کچھ اسلام ہوگا اور
 وہ ہمہ تن اسلام کے لباس میں ملبوس دکھائی دے گا۔ ہمہ وقت دین کی
 تبلیغ میں مشغول ہوگا۔ لوگ اس کو بہت بڑا عالم سمجھیں گے۔ اور وہ بھی بزم
 ویش اپنے آپ کو اسلام کا اجارہ دار سمجھے گا۔ باری تعالیٰ اسے کسی عیب
 بن مبتلا کر دیں گے اور وہ میری امت کے لوگوں کو کافر و مشرک کہے گا۔ ان
 کے درپے آزار ہوگا۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت فرمایا ”یا رسول اللہ کیا وہ شخص
 بن کافر و مشرک کہے گا۔“ واقعی ایسے ہوں گے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا ”نہیں بلکہ وہ بد بخت خود دائرہ اسلام سے خارج ہوگا۔“

اؤ ذرا ہم اپنی حالت پر غور کریں اور سوچیں کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو
 غیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کو کافر، مشرک، بدعتی، گستاخِ رسول، لعنتی اور
 ہتھی کہہ رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس تکفیر و تفسیق کی زد میں اگر سارے آ
 گئے تو پھر مسلمان کون بچے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری

۱۰۰ ————— حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ عن حذیفۃ بن الیمان
 قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مما اخاف علیکم رجل
 قرء القرآن حتی اذا روت بہجتہ علیہ وکان رداءہ الاسلام
 اعتراہ الی ماشاء اللہ انسلخ منه ونبذہ وراء ظہرہ وسمی علی حبارہ
 بالسیف ورماہ بالشرب قال قلت یا نبی اللہ ایہما اولی بالشرب
 المرمی او الرامی قال بل الرامی (تفسیر ابن کثیر ۲: ۲۶۵)

اُمت کے رگ و ریشے میں توحید اس درجہ سرایت کر چکی ہے کہ مجھے ان کے دوبارہ مشرک کی طرف لوٹ جانے کا مطلق اندیشہ نہیں۔

کلمہ گو کو بلا جواز شرعی کافر نہ کہو | جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا جسے

کے کسی طرح بھی روا نہیں ہے۔ ایک جنگ میں کسی صحابی نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا۔ جس کے بارے میں بیان کیا گیا کہ اس نے مرتے سے پہلے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ حضور کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے اس صحابی کو طلب کر کے پوچھا کہ تم نے فلاں شخص کو کیوں قتل کیا۔ درآنحالیکہ اس نے میرا کلمہ پڑھ لیا تھا۔ صحابی نے کہا کہ حضور اس نے دل سے نہیں بلکہ کلمہ دکھاوے کے لئے اور اپنی جان بچانے کے لئے پڑھا تھا۔ اس پر رحمت عالم نے فرمایا کہ تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔ کہ اس نے کلمہ دکھاوے کے لئے پڑھا ہے بلکہ اس سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے ہو گیا کہ دل کا مان خدا اور اس کے اعلام سے اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اب کسی کا یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں کلمہ گو، منافق اور کافر ہے اپنے آپ کو خدا اور رسول کے مسند پر بٹھانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟

مخلوق میں صرف حضور رسالتاً ہی کامل مخبر صاق ہیں | الغلین

نے اپنے پیارے نبی کو قیامت تک پیش آنے والے تمام واقعات سے باخبر

۱۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں -

املا شقت عن قلبه حتى تعلم من اجل ذلك قالها ام لا
(ابوداؤد ۱، ۳۵۵، کتاب الجہاد)

کر دیا اور تمام انسانوں کے ظاہری و باطنی اعمال ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح
ظاہر کر دیئے۔ تاکہ وہ ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہو کر موثر طریق پر ان
کی اصلاح اور علاج کر سکیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

فرمادیتے کہ عمل کرو،

قُلْ اَعْمَلُوا فَاَسِيرِي

پس عنقریب تمہارے اعمال

اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ

اللہ اس کا رسول اور مومنین دیکھ

وَالْمُؤْمِنَاتُ هَلْ

لیں گے۔

روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھ پر یہ حقیقت منکشف کر دی گئی
ہے کہ کون مومن ہے اور کون کافر۔ جب یہ بات منافقوں نے سنی تو
مسخراً میزانداز میں طعنے زنی کرنے لگے کہ یہ کیسا رسول ہے جو قیامت تک
کے حالات سے آگاہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ ہم کیا ہیں
حدیث کے الفاظ ہیں :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

قال رسول الله صلى الله

فرمایا، آدم علیہ السلام کی طرح

عليه وسلم عرضت علي

مجھ پر میری امت اپنی صورت

أمتي في صورها كما

میں پیش کی گئی اور مجھے بتا دیا

عرضت علي آدم وواعلمت

گیا کہ کون میرے ساتھ ایمان لائے

من يؤمن بي ومن يكفر

گا اور کون کفر کرے گا۔ یہ بات

بي فبلغ ذلك المنافقين

منافقوں تک پہنچی تو انہوں نے
استہزاء کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کا خیال ہے کہ وہ تمام
مومنین و کافرین کو جانتے ہیں
جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوتے۔
اور ہم ان کے پاس ہیں لیکن ہمیں
نہیں پہنچانتے یہ بات حضور صلی
اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ منبر
پر کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد
و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا۔
ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ جنہوں
نے میرے علم کے بارے میں طعنہ زنی کی
قیامت تک جس چیز کے بارے
مجھ سے سوال کرو گے میں تمہیں
بتا دوں گا۔ عبد اللہ بن حذافہ السہمی
کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ
میرا باپ کون ہے۔ آپ نے فرمایا
حذافہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے
ہوتے اور عرض کی یا رسول اللہ ہم
اس پر راضی ہیں کہ اللہ ہمارا رب
ہے۔ اسلام ہمارا دین۔ قرآن ہمارا

فقالوا استهزاء زعم
محمد انه يعلم من يؤمن
به و من يكفر من لم
يخلق بعد و نحن معه
و ما يعرفنا ببلغ ذلك
رسول الله صلى الله عليه
وسلم و قام على المنبر
فحمد الله تعالى و اثنى
عليه ثم قال ما بال اقوام
طعنوا في علمي لا تسألوني
عن شي في ما بينكم و
بين الساعة الا نبأتكم
به فقام عبد الله بن
حذافه السهمي فقال
من ابي يا رسول الله فقال
حذافه فقام عمر فقال
يا رسول الله رضينا بالله
ربا و بالاسلام ديننا و بالقران
اما ما و بنبينا فاعف
عنا عفا الله عنك فقال النبي
صلى الله عليه وسلم

امام ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے
نبی ہیں۔ آپ ہم سے درگزر فرمایا
اللہ تعالیٰ آپ سے درگزر فرمائے گا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
کیا تم باز نہیں آؤ گے؟ کیا تم باز
نہیں آؤ گے؟

فہل انتم
منتہون -
فہل انتم
منتہون لہ

حضرت ابو موسیٰ کی روایت میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
ثم قال للناس سلوني
عما شئتم ۲
پھر آپ نے لوگوں سے کہا جس چیز
کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو مجھ
سے پوچھو۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے۔
فقال لا تسألوني اليوم
عن شيئ الا بئنه لكم
۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
آج تم جس چیز کے بارے میں مجھ
سے پوچھو گے میں تمہیں بیان کروں گا۔

زہریؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔
قال من احب ان يسأل
عن شيئ فليسأل فوالله
لا تسألوني عن شيئ الا
آپ نے فرمایا جو کسی چیز کے بارے
میں سوال کرنا چاہتا ہے۔ وہ
پوچھ لے تم جس چیز کے متعلق بھی

۲ تفسیر حازن، ۱/۲۸۸

۳ الصحيح البخاري ۱: ۱۹

الصحيح البخاري ۲: ۹۴۱

مجھ سے پوچھو گے تمہیں بتاؤں گا
 جب تک میں اس جگہ ہوں -
 لوگوں نے زار و قطار دونا شروع
 کر دیا - اور آپ بار بار یہی فرماتے
 رہے مجھ سے سوال کرو مجھ سے سوال
 کرو، حضرت انسؓ فرماتے ہیں تب
 ایک شخص اٹھا اور پوچھنے لگا، یا
 رسول اللہ بعد از مرگ میرا ٹھکانہ کہا
 ہوگا؟ آپ نے فرمایا دونخ

اخبیر تکم بہ ما دست فی
 مقامی هذا فاکثر الناس
 البکاء واکثران یقول
 سلونی - قال انسؓ فقام
 الیہ رجلٌ فقال ایئ
 مدخلی یا رسول اللہ قال
 النار - لہ

سوال یہ ہے کہ کیا مخلوق میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا
 کسی اور کو ایسا دعویٰ کرنے کا حق پہنچتا ہے ہرگز نہیں - یہ منصب صرف
 کائنات کے اس رسولِ اعظم کا ہے جس کے دائرہ نبوت سے نہ کوئی زبان
 باہر ہے اور نہ کوئی مکان - مگر اس کے علاوہ کسی اور شخص کی زبان ایسا وسیع
 دعویٰ نہیں کر سکتی - کیونکہ باطن اور آخرت کے حالات سے تو فی الحقیقت ہی
 علام الغیوب ہی واقف ہے یا وہ پیکر نبوت جسے باری تعالیٰ نے اپنے خزانہ
 علم سے دولتِ وافر عطا کی ہے -

اب اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے باطن اور نیت پر شک کرتے
 ہوئے بغیر کسی ظاہری شہادت کے اسے منافق کافر و مشرک یا جہنمی اور دوزخی
 قرار دے گا تو یہ دعویٰ یا تو شرک فی التوحید کے مترادف ہوگا یا شرک
 فی النبوت کے - مسلمانوں کو یقینی علم کے بغیر دوسروں کی نسبت حسن ظن یعنی

نیک گمان رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ نیک گمان سے اخوت اور اتحاد قائم ہوتا ہے جبکہ بدگمانی نفاق اور افتراق کا باعث بنتی ہے۔

نصوص قرآن و سنت سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دین میں ختم اندازی اور تفرقہ پروری صریحاً کفر کے مترادف ہے اس لئے ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کو صرف بنیادی امور پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے اور حتی الامکان فروعی معاملات میں ایک دوسرے سے نہیں الجھنا چاہیے۔ تبلیغ و دعوت کا موضوع اور اسلوب ایسا ہو جس سے کسی مسلک کے بزرگ کی کردار کشی اور تنقیص و تذلیل کا پہلو نہ نکلے بلکہ مسائل کی تشریح و تعبیر قرآن و سنت کی روشنی میں مناصحاً علمی فکری اور تعمیری نقطہ نظر سے کی جائے۔



۳

حقیقی رواداری کا عملی مظاہرہ

اور
عدمِ اکراہ کا قرآنی فلسفہ



قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے -

لَا اَكْرَاهُ فِي الدِّينِ
قَدَّيْبَيْنِ السُّرُشْدُ مِنْ
الْفِي
دین میں کوئی زبردستی نہیں۔
بے شک ہدایت گمراہی سے خوب
واضح ہو چکی ہے۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں باری تعالیٰ نے دین اسلام کے عمومی مزاج کو بیان کیا ہے یعنی دین کے اندر کسی قسم کا جبر، تنگی اور سختی نہیں ہے۔ دین کی پوری عمارت لاکراہ کی بنیاد پر استوار ہوئی ہے اور نشا و توسیع اسلام میں یہی اصول ابتداءرتا مہنوز کار فرما رہا ہے۔ آیت کریمہ کے پہلے حصے میں بڑی صراحت کے ساتھ اس اصول کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اذوینی تعلیمات کا سارا نظام اسی اصول کے گرد گھومتا ہے۔ تاریخ اسلام اس بات پر شاہد عادل ہے کہ کمرہ ارض پر اسلام بالجبر اور بزورِ شمشیر نہیں پھیلا بلکہ کردار و عمل کی قوت اور حکمت و مواعظت سے لوگوں کے قلوب مسخر کرتا چلا آیا ہے۔ آیت مقدسہ کے دوسرے حصے میں رشد و ہدایت اور گمراہی و ضلالت کا واضح طور پر ایک دوسرے سے میسر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ حق و باطل اور صدق و کذب کی جداگانہ راہوں کی واضح طور پر نشان دہی کر دی گئی ہے اور ہر کس و ناکس کو پورا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جو راہ چاہے اختیار کرے۔ اس پر کسی قسم کا جبر یا زبردستی نہیں ہوگی۔ ہر انسان اپنے لئے زندگی کا راستہ و طریق منتخب کرنے میں کلی طور پر آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ جبر و زیادتی سے اپنا راستہ اور طریق

زندگی دوسرے پر ٹھونسنے کی کوشش کرنے۔ ہاں البتہ حکمت و موعظت اور تبلیغ و تلقین سے کسی کو قائل کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

قرآن حکیم میں ایک مقام پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ آپ اعلان فرمادیں کہ ہم نے دین کی تعلیمات واضح کر دی ہیں۔ اور آپ کی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ جو کچھ ہماری طرف سے عطا ہوا ہے وہ دوسروں تک احسن طریقے سے پہنچادیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَمَن
شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَن
شَاءَ فَلْيُكْفُرْ

اور رے نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم، آپ فرمادیں کہ حق تمہارے
رب کی طرف سے ہے، پس جس کا جی
چاہے وہ ایمان لے آئے اور جس

الکہف ۱۸۰ : ۲۹

کا جی چاہے کفر کرتا ہے۔

یعنی پیغام حق پہنچا دینے کے بعد بحیثیت پیغمبر و رسول آپ کی قطعاً کوئی

ذمہ داری نہیں کہ کوئی آپ کی دعوت قبول کرتا ہے یا نہیں

ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کفر و ایمان کے بارے میں تم پر اپنی مرضی اور مشیت مسلط کرنا چاہتا اور تم سے اختیار کی قوت سلب کر لیتا تو اس کی رضا و مشیت کے آگے کسی کو سزائی کی مجال نہ تھی۔ اگر وہ چاہتا تو رستے زمین پر ایک بھی کافر نہ رہتا۔ لیکن اس قادر مطلق کی مشیت یہی ہے۔ کہ دنیا میں کفر و اسلام، حق و باطل، خیر و شر، نیکی اور برائی کی جدا جدا راہیں متعین کر دی جائیں اور انسان کو ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لینے کا اختیار تفویض کر دیا جائے۔ اس طرح اس نے رسولوں اور نبیوں کے ذریعے گم کردہ راہ انسانی کی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں

تک کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سلسلہ تکمیل کو پہنچا جن کا اسوہ
زماں و مکان کی حدود سے ماورا تمام نوع انسانی کے لئے مکمل نمونہ
حیات ہے۔ - باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ
ہم نے (خیر اور شر کے) دونوں راستے
دکھا دیئے ہیں۔

فَالهَمَّهَا فَجُودَهَا وَتَقْوَاهَا
پھر اس و نفس کے دل میں اسکی
نافرمانی اور اسکی پارسائی کو ڈال

دیا ہے۔

گویا دین سے عنقریب خارج کر کے ہر شخص کو شعور کی دولت سے بہرہ
کروایا گیا۔ اسے رد و قبول کا حق دیا گیا کہ وہ اپنے نفع و نقصان کو سمجھے۔
اور برضا و رغبت جو دین چاہے اختیار کرے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جزا و سزا
عذاب و ثواب کا تصور بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ دین کی راہ واضح طور پر
متعین کر دینے کے بعد خدائے بزرگ برتر نے کسی کو یہ حق نہیں دیا کہ
مذہب کے بارے میں کسی پر پابندی عائد کرے یا کسی کی آزادی پر کوئی
قدغن لگائے۔

مقصد بعثت نبوی

نبی اکرم کی بعثت کا مقصد قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔
وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ
دنی اکرم، ان لوگوں، کا بوجھ
وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
اتارتے ہیں اور وہ زنجیریں
(کاٹتے ہیں) جو انہیں جکڑے ہوئے تھیں

۱۰: ۹۰ ۱۰: ۹۱ ۸: ۸۰ ۱۰: ۹۰ ۱۰: ۹۰

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ میں بڑا سیدھا سادا آسان دین لے کر مبعوث ہوا ہوں۔ ظہورِ اسلام سے پہلے انسانیت ناروا پابندیوں اور جبر و ستم کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور مجبور و مقہور انسان ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہے تھے۔ محکومی و غلامی کے عالم میں انسان جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے تھے۔ اسلام نے غلامی کی زنجیروں کو کاٹ دیا اور سب ناروا پابندیوں کو یکسر ختم کر دیا۔ حضورِ اکرمؐ نے اپنی تبلیغی زندگی میں یہ بنیادی اور ناقابلِ تغیر اصول بطور معیار اپنایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت یا عدم اطاعت کے بارے میں جبر و اکراہ کا کوئی عمل و دخل نہ ہو۔

قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ
فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ
تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيفًا ۗ لَ

اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی اطاعت کی یقیناً
اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت
کی اور جس نے اس اطاعت سے

منہ پھیرا تو ہم نے آپ کو ان کا
پاسبان بنا کر نہیں بھیجا۔

یعنی اگر کوئی دعوتِ اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ ہدایت پا گیا اور اگر
وہ اسے قبول کرنے سے انکاری ہے تو آپ بری الذمہ ہیں۔ آپ نے اپنا
فرض پورا کر دیا لوگوں کو بالجبر دائرہ اسلام میں داخل کرنا آپ کے منصب

رسالت میں شامل نہیں۔ اسلام کی پوری تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ کسی بھی دور میں تبلیغی مساعی کے دوران کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی شخص کو زبردستی یا زور و شمشیر مسلمان ہونے پر مجبور کیا گیا ہو۔ اسلام میں عسرت اور تنگی نہیں بلکہ فراخی اور آسانی ہے۔ یہاں تک کہ قسطنطنیہ

حالت میں لقمہ حرام کھا کر بھی جان بچانا جائز ہے، ارشاد ہوتا ہے -

فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ لٰكِنَّ جَوْجُورٌ هُوَ جَائِزٌ وَرَأْفًا لِّكَ

وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے

وَلَا عَادٍ فَلَا إِشْرَاعَ عَلَيْهِ

بڑھنے والا ہو تو اس پر بقدر

ضرورت کھالینے میں کوئی گناہ

نہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات مقدسہ اور سنت نبوی سے یہ نکتہ روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ دینِ متین کی تبلیغ اور دعوتِ حق میں زبردستی اور جبر کا عنصر منشاءتاً خداوندی کے سراسر منافی ہے۔ اسی اصول پر حضور نبی اکرمؐ آپ کے جاننا صحابہ اور آپ کے بعد آنے والے صلحائے امت ہمہ وقت کار بند ہے۔ اب کسی داعظ اور مبلغ کو منبر پر کھڑے ہو کر یہ حق نہیں پہنچا کہ وہ کسی پر اپنا مسلک اور نقطہ نظر زبردستی مسلط کرے اور اختلافِ رائے رکھنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا پھرے۔

اسلام کی روح میں مشاورت و

جمہوریت کا فرما ہے وہ تمام انسانوں

اختلاف رائے کا بنیادی حق

سے مساوات اور برابری کی سطح پر مخاطب ہوتا ہے۔ آقایت اور پاپائیت کا تصور اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں۔ مزید برآں دعوتِ دین اور تبلیغِ حق

کافر یعنی ادا کرتے ہوئے شائستگی اور متانت کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا کبیر
 روا نہیں۔ اسلام کی رواداری اور وسیع المشری جو اس بات کی متقاضی ہے
 کہ مخالفین کے نقطہ نظر کو تحمل، خندہ پیشانی اور قوت برداشت سنا جائے
 اور کسی پر زبردستی اپنی بات نہ ٹھونسی جائے۔ خالق کون و مکان نے
 جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ دین کے
 معاملے میں کسی پر اپنی مرضی مسلط کریں تو کسی مبلغ کو یہ حق کہاں سے حاصل
 ہو گیا کہ وہ دوسروں سے اختلاف رائے کا حق چھین لے۔ مخالفین پر عرصہ حیات
 تنگ کر دے اور ان کے اسلام اور ایمان پر زبانِ طعن دراز کرتا پھرے۔
 اختلاف رائے کا حق اسلام کے تصورِ شورا بیت اور جمہوریت کا جزو لاینفک
 ہے۔ حضور اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ سے واضح ہے کہ آپ اہم امور میں اپنے صحابہ
 سے مشورہ لیتے اور اختلاف رائے کا احترام بھی کرتے تھے۔ جیسا کہ غزوہ احد
 کے موقع پر حضور نے اپنی رائے کے برعکس صحابہ کی رائے کے مطابق مدینہ کی
 حدود سے باہر جنگ لڑنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس طرح حضور نے اپنے عمل سے
 تعلیم امت کے لئے ایک ایسا اصول متعین کر دیا جس کی تقلید بلا امتیاز
 تمام مسلمانوں کے لئے فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔

اس ضمن میں ایک صحابہ کا واقعہ پیش نظر ہے جو اپنے شوہر علیحدگی

الح _____ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ان مغیثا کان عبداً فقال یا رسول
 اللہ اشفع لی الیہا (بریرہ) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بریرہ اتقی اللہ فانہ زوجک
 وایو ولدک فقالت یا رسول اللہ انا امرنی بذاک قال لا انا انا مشافع وکان دموعہ تسیل
 علی خدہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعباس الا تعجب من حب مغیث بریرہ
 وبنفصھا ایامہ - (ابوداؤد: ۱۰۳۰: ۲۶۳)

کی خواستگار تھی اور اس کا شوہر اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ یا رسول اللہ آپ اُسے فرمائیں کہ مجھ سے جدا نہ ہو۔ میں اسے اپنے عقد میں رکھنا چاہتا ہوں۔ حضور نے اس صحابیہ کو طلب کیا اور پوچھا کہ تو اپنے شوہر سے کیوں جدا ہونا چاہتی ہے اور پھر فرمایا کہ تو اس سے اپنا عقد نکاح برقرار رکھ۔ صحابیہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ اگر یہ مشورہ ہے تو مجھے اپنا حق استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنا حق استعمال کرنے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ جا شریعت نے اس بارے میں تجھے کئی اختیار دیا ہے۔ حضور کی سنت کے یہ نظائر بیان کرنے کا مقصد دل و دماغ میں یہ تصور جاگزیں کرنا ہے کہ دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی انجام دہی میں دوسروں کو اختلاف کا حق دینا خود حضور کی سنت مبارکہ اور سیرت لہیبہ سے ثابت ہے۔



۴

دینی تعلیم کے لیے مشترکہ اداروں کا قیام





مذہبی رواداری سے متعلق ایک اور اہم اصول جو غور و فکر اور توجہ کا محتاج ہے وہ علمائے کرام اور مبلغین کی تعلیم و تربیت کے لئے ایسے دینی اداروں کے قیام و انصرام سے متعلق ہے۔ جہاں مسلمان تنگ نظری سے ماورا رہ کر ہر مسلک و مکتب فکر کا طالب علم ایک آزاد ماحول میں درس و تدریس کے مواقع سے استفادہ کر سکے۔ برصغیر میں فرقہ وارانہ کشیدگی کے دور کا آغاز مختلف مسالک کی دینی درسگاہوں اور تدریسی اداروں کے جداگانہ قیام سے ہوا۔ یہ انتہائی افسوس ناک بات تھی۔ اس دور میں مختلف مکاتب فکر کے جدا جدا مدارس معرض وجود میں آگئے۔ ان درس گاہوں سے تعلیم و تربیت پانے والے طالب علم ایک مخصوص ماحول میں تحصیل علم کے بعد جب باہر نکلے اور مسند علم و ارشاد پر فائز ہوئے تو ان کے دل و دماغ مسلک کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے تھے اور ان کے اعمال و کردار پر اس وابستگی کی گہری چھاپ نمایاں تھی۔ علماء کی یہ کھیب مساجد کے محراب و منبر سے دین کے بنیادی مسائل سے صرف نظر کر کے اپنے اپنے مسلک اور عقائد کا پرچار کرنے لگی۔ فروعی امور میں الجھ کر علماء ایک دوسرے کو معاندانہ تنقید اور تنقیص کا نشانہ بنانے لگے۔ اس طرح مسلکی رواداری کے برعکس انتہا پسندی جڑ بکڑ گئی اور فرقہ پرستی اور فرقہ پروری کی آگ بھڑک اٹھی جس سے انتشار و افتراق، فتنہ و فساد اور تشت و نااتفاقی نے جنم لیا اور وحدت ملی کے تصور کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ نتیجہً امت گروہوں اور دھڑوں میں بٹ گئی۔ اس سے اسلام

کی اجتماعی حیثیت صنف و انحطاط کی زد میں آگئی۔ اس صورت حال سے درود رکھنے والا ہر مسلمان ملول و دل گرفتہ ہے۔ مسلکی رواداری اور وسیع مشتری کو پھر سے بحال کرنے کے لئے وسیع بنیادوں پر ایسے دینی تدریسی اداروں اور مدارس قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے جہاں پر ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے طلباء آزادانہ ماحول میں تعلیم حاصل کریں، اور اس طرح باہمی اختلاط سے خوش گو اور اور صحت مند دینی فضا قائم ہو سکے۔ ایسے اداروں کے فارغ التحصیل علماء جب عملی زندگی میں داخل ہوں گے تو ان کے درس و تدریس اور پڑھنے پڑھانے کا اسلوب مناظرانہ نہیں بلکہ مثبت، پر وقار، علمی، تحقیقی، استخراجی اور مشفقانہ انداز کا ہوگا۔

۵

علماء کے لیے جدید عصری تعلیم کا انتظام



برطانوی استعمار نے برصغیر میں وارد ہو کر سب سے پہلا تخریبی کام یہ کیا کہ مسلمانوں کے اس نظامِ تعلیم کو تباہ کر دیا جو مدتِ مدید سے یہاں رائج تھا۔ اس نے دینی و دنیوی تعلیم کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ ایسا کرنے میں اس کے اپنے سامراجی عزائم کار فرما تھے۔ عام تعلیم کو لادینیت (SECULARISM) کے رنگ میں رنگ دینے سے مسلمانوں کی شاندار اقدار زوال پذیر ہو گئیں۔ آج سے ڈیڑھ دو سو سال قبل تک مسلمانوں کے دینی اور دنیوی تعلیم کے مدارس ایک ہی ہوتے تھے اور جداگانہ نظامِ تعلیم کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ ایک ہی درگاہ سے طلباء کو سائنس، ریاضی، فلسفہ، منطق، حدیث و قرآن اور فقہی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ گویا دینی اور عصری علوم و فنون ایک ہی نصاب کا حصہ تھے۔ انگریزوں کے شاطر دماغ نے اپنی ریشہ و دانیوں سے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے سیکولر نظامِ تعلیم ملک بھر میں رائج کر دیا۔ ایسے نظامِ تعلیم سے عالمِ اسلام میں کوئی رومی، رازی، فارابی، جامی اور ابن رشد جیسا ہمہ جہت عالم، مفکر اور دانشور کیسے پیدا ہو سکتا تھا؟ تاریخِ اسلام کے زریں دور میں بغداد اور قاہرہ جیسی بڑی بڑی اسلامی یونیورسٹیوں اور درسگاہوں میں اکتسابِ علم کے لئے مشرق و غربت کشاں کشاں لوگ چلے آتے تھے۔ پھر تاریخ کا پیہ پلٹا اور صورتِ احوال یہ ہو گئی کہ آج اپنی زبوں حالی اور کم مائیگی کو دیکھ کر کوئی بھی دردمند مسلمان خون کے آنسو بہاتے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں
جداگانہ نظام تعلیم کے مضر اثرات کے دورِ عروج میں مسلمان علماء و
 محققین اور سائنس دانوں نے علم و فن کے میدان میں حیرت انگیز انکشافات
 اور ایجادات کی ہیں۔ آج سائنسی علوم و فنون میں جس قدر ترقی اور
 ارتقا ہو رہا ہے اس کا سہرا مسلمان محققین اور ماہرینِ علوم کے سر ہے
 جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہر سکتا۔

مسلمانوں کے دینی اداروں سے وابستہ علماء و محققین کی علمی
 ثقاہت کا سکہ دینی اور دنیاوی ہر دو نوعیت کے علوم پر جاری تھا۔
 تعلیم و تدریس کا یہ نظام بڑی کامیابی سے دنیائے اسلام کی پورے تاریخ
 میں چلتا رہا۔ پھر برطانوی سامراج نے برصغیر کے مسلمانوں کے خلاف
 سازش کر کے سیکولر نظامِ تعلیم رائج کر دیا اور یوں مسلمانوں کی علمی برتری
 کی کمر توڑ دی گئی۔

دنیوی اور دینی تعلیم کی اس ثنویت (DUALITY) اور ان کے
 دو حصوں میں منقسم ہو جانے (BIFERCATION) سے مسلم معاشرے پر انتہائی
 مضر اثرات مرتب ہونے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دینی اداروں
 سے فارغ التحصیل علماء مولوی تو بن گئے جن کا کام نکاح خوانی اور مڑوں
 کی تجہیز و تکفین کے علاوہ کچھ نہ تھا لیکن علمی دنیا پر حکمرانی کرنے والے سکالر
 نہ بن سکے۔ ایک زمانہ تھا کہ مولوی کا لفظ آج کے پی ایچ ڈی ()
 اور علوم و فنون کے ماہر کے مترادف تصور کیا جاتا تھا۔ تاریخ میں علی قاری
 کے پائے کے محدث اور عبدالرحمن جامی جیسے فقیہ کا ذکر بڑے احترام سے
 ملتا ہے۔ جو اپنے زمانے میں ملا کہلا یا کرتے تھے۔ آج ملا کا لفظ تحقیر و

نفرت کی علامت بن گیا ہے -

۴۔ بین تفاوت راہ از کجا و تا بہ کجاست

آج کا مسلمان دنیاوی علوم کی شان و شوکت اور چکا چوند کے مظاہر سے مسحور ہو کر رہ گیا ہے اور دینی تعلیم کی طرف اس کا رجحان الّا ماشاء اللہ بہت کم ہو گیا ہے۔ کالجوں یونیورسٹیوں میں جدید تعلیم سے بہرہ ور ہونے کے بعد کوئی انتظامی امور کے شعبے میں چلا جاتا ہے اور کوئی پروفیسر، ایڈووکیٹ، جج، وزیر یا سیاستدان بن جاتا ہے۔ عملی میدان میں مقابلہ و مسابقت کی بنیاد پر یہ راہیں سب کے لئے کھلی ہیں۔ دینی تعلیم کے حصول کی طرف صرف ہی لوگ آتے ہیں جنہیں جدید تعلیم کے وسائل نہیں ملتے یا جو ذہنی طور پر کمزور ہوتے ہیں چنانچہ ان اداروں سے نکل کر ان کے سامنے اپنی شخصیت اور انفرادیت کو اجاگر کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ مسجد و مکتب میں تراسی اور اختلافی مسائل کو شد و مد سے ہوا دیں اس طرح فرقہ پرستی کا پودا تناور ہو کر امت مسلمہ کے لئے بہت بڑا چیلنج بن جاتا ہے۔

جدید تعلیم کی ناگزیریت | دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم کا حصول وقت کی بہت بڑی ضرورت

ہے۔ اس کے بغیر عہد حاضر کے مسائل اور بدلتے ہوئے تقاضوں سے احسن طریق سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں۔ آج کے اس سائنسی اور مشینی دور میں انسانی معاشرے کو جو گونا گوں پیچیدہ مسائل درپیش ہیں قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا حقیقت پسندانہ (REALISTIC) اور وقتی ضروریات کے مطابق عملی حل (PRACTICABLE SOLUTION) دریافت کیا جاسکتا ہے جب ہمارے علماء جدید تعلیم سے کما حقہ

بہرور ہوں۔ جدید تعلیم کو عام کر دینے سے وسعتِ قلب و نظر کے باعث فرقہ پرستی کی لعنت سے کافی حد تک چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بصورت دیگر موجودہ ماحول کو سو سال کی مسلسل کاوشوں سے بھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ دینی مدرسوں کے فاضل علماء نور و لبثرا اور حاضر و ناظر جیسے موضوعات پر تو گھنٹوں تقریر کر سکتے ہیں لیکن اگر ان سے اسلام کے معاشرتی نظام، بین الاقوامی تعلقات، اقوامِ عالم کے ساتھ جنگ و صلح کے ضابطوں، اسلامی تہذیب و ثقافت سیاسی پالیسی اسلامی تعزیرات اور اسلامی معاشرت کے استحکام کے ضابطوں کے بارے میں اظہارِ خیال کرنے کو کہا جائے تو الاً ماشاء اللہ وہ پانچ منٹ سے زیادہ کسی موضوع پر نہیں بول سکتے۔ یہی سبب ہے کہ آج کی نوجوان نسل دینی علوم سے بے بہرہ اور فرقہ پرست علماء سے حد درجہ بیزار نظر آتی ہے۔

موجودہ حالات کا اگر ہم سنجیدگی اور
معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری | غیر جانبداری سے مطالعہ کریں تو

اس گھمبیر صورتِ حال کے ذمہ دار صرف علماء ہی نہیں بلکہ معاشرہ من حیث الکل مورد الزام ٹھہرتا ہے۔ اگر کبھی ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور ایک لمحہ کے لئے سوچیں کہ ہم دنیاوی معاملات میں اپنی اولاد کے بہتر مستقبل کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرتے۔ کیا کیا منصوبے نہیں بناتے۔ کیا کیا خواب نہیں دیکھتے کہ ہمارے بچے بہتر بہتر درسگاہوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اونچے عہدوں اور مرتبوں پر فائز ہوں لیکن کیا کسی نے اپنے بچوں میں سے ایک بچہ بھی میڈیکل کالج یا انجینئرنگ یونیورسٹی کی بجائے دینی تعلیم کے لئے وقف کیا ہے۔ یہ سب کے لئے اور بالخصوص ان مہتموں لوگوں کے لئے لمحہ

شکر یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے معاشی احتیاج و ضرورت سے بے نیاز ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ خدمتِ دین کے جذبے سے مرثا ہو کر آگے آئیں اور اپنے بہتر صلاحیتوں کے مالک بچوں کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ اسلامی علوم کے زیور سے آراستہ کریں۔ اس طرح بہتر، بالغ النظر اور پختہ خیال انسدادِ دین کی خدمت کے لئے مہیا ہو سکیں گے اور ایک خاموش اسلامی انقلاب کی معاشرے میں داغ بیل ڈالی جاسکے گی۔

پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ عصری

اجتہاد کی عملی ضرورت | تقاضوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے

کے لئے عوام اور حکومت کو اپنی اپنی سطح پر تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لانا چاہئیں فی زمانہ جب سائنس و ٹیکنالوجی کی بے پناہ ترقی اور پیش رفت کے باعث طرح طرح کے معاشی، اقتصادی، سیاسی، اور بین الاقوامی مسائل رونما ہو رہے ہیں یہ حکومت اور عوام کی انتہائی اہم اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ مسائل کے خاطر خواہ اور موثر عمل کے لئے جدید تقاضوں کے تحت قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر کا کام نہایت حزم احتیاط سے ان علماء کو سونپیں جو اس کام کی بطریقِ اولیٰ اہلیت رکھتے ہوں۔ اختلافی اور مابہ النزاع امور کا ایسا متفقہ حل بذریعہ اجتہاد قرآن و سنت سے استنباط کیا جائے جو آج کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ لیکن اجتہاد کا یہ حق صرف قرآن و سنت سے ماخوذ شریعت پر عبور رکھنے والے علماء ہی کو حاصل ہے جس کا استعمال جدید علوم سے مستفید ہونے بغیر ممکن نہیں۔ عملی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط اجتہاد مسلکی رواداری اور تمام تر توجہ ان اجتہادِ علمی نوعیت کے بنیادی مسائل پر مرکوز رکھنے ہی

سے ممکن ہے جو آج ملت اسلامیہ کو درپیش ہیں۔ اجتہاد کے فیوض و برکات سے پوری طرح متمتع ہونے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ عصرِ جدید کے تقاضوں سے پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل پر مسلسل تحقیقی کام باہم مل جل کر کیا جائے۔ کاوش و تحقیق (RESEARCH) ————— جدید مسائل پر مرتکز کر دینے سے اختلافی مسائل پر توجہ کافی حد تک ختم ہو کر رہ جائے گی، اور مثبت سوچ کی نئی راہیں کھلیں گی۔ اس طرح دوزخِ حاضر کے پریشان کن مسائل از خود حل ہوتے چلے جائیں گے۔

4

مہذبہ اخلاق کے لیے نو شرور حافی تربیت کا نظام



تذکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لئے تعلیم و تربیت کے عملی نظام کا احیاء کیا جائے اور ایسے مراکز قائم کئے جائیں جو قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ کی مثالی خانقاہوں کا معاشرے میں اخلاقی اور روحانی انقلاب برپا کرنے کا کام پھر سے بحال کر سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے عملی تصوف کی تعلیمات کو پھر سے اس طرح زندہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ روحانی اور اخلاقی اقدار پھر سے اجاگر ہو جائیں جن کو عملی زندگی کے ہر گوشے میں راسخ کرنے کیلئے سلسلہ در سلسلہ اولیائے کرام آتے رہے۔ جاہد خانقاہیت اور ظواہر پرستی پر مبنی تصوف نے اسلام کی روح کو جتنا نقصان پہنچایا اس کے ازالہ کی بس یہی صوت ہے کہ عملی تصوف کے اسباق کو روحانی تربیت کے ذریعے عام کیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے دل نفاق و کدورت سے پاک ہو کر اخلاص و محبت کی دولت سے مالا مال ہو سکیں۔

تاریخ اسلام میں افرادِ انسانی کی باقاعدہ اخلاقی و روحانی تربیت اور کردار سازی کے مقدس کام کا آغاز عہدِ رسالت سے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ”اصحابِ صفہ“ کے تربیتی ادارے کی صورت میں ہوا تھا۔ عہدِ صحابہ و تابعین کے بعد قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ میں یہ فریضہ صوفیائے کرام کی زیر نگرانی ”خانقاہی نظام“ نے سرانجام دیا۔ اس نظام کے زیر اثر امت مسلمہ کو ہر دور میں جنیدؒ و بایزیدؒ جبیلانیؒ و غزالیؒ، رومیؒ و جامیؒ، ہجویریؒ و اجمیریؒ، سہروردیؒ و سمرندیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

اور شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے نابغہ روزگار میسرآتے رہے جنہوں نے اسلام کے دورِ زوال میں بھی اُمت کے عروقِ مُردہ میں نہ صرف نئی روح پھونکی بلکہ اسے احیاء و تجدید اور وحدت و یک جہتی کی تہی راہیں دکھائیں۔ دورِ اواخر میں مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی زوال کے نتیجے میں اس اخلاقی و روحانی تحریک کا شیرازہ بھی منتشر ہو گیا۔ اس کی رسم تو مسخ شدہ صورت میں باقی رہ گئی لیکن اس کی روح اور انقلابی اثر انگیزی باقی نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ عصرِ حاضر کے بیشتر رہنماؤں میں وہ اخلاقی جرات، روحانی ولولہ اور صدق و اخلاص مفقود ہو گیا جو احوالِ زمانہ کا رخ بدلنے کے لئے ضروری ہے۔ لہذا آج اس اخلاقی اور روحانی نظام کی اصل صورت کو بحال کرنے کے لئے ایک ہمہ گیر روحانی تحریک کی ضرورت ہے۔ جو اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل اور افراد کی ظاہری و باطنی تعمیر کا بھرپور اہتمام کرے اس عملی تربیت سے خواص و عام کے دلوں کو صدق و اخلاص، تقویٰ و پرہیزگاری، ایثار و قربانی، تواضع و انکسار اور علم و معرفت جیسے وہ لازوال جو اہر نصیب ہوں گے جن سے ان کی شخصیتیں اسوۂ صحابہ کے رخ پر ڈھل سکیں گی اور وہ سیرت و کردار کی روحانی قوت اور اخلاقی عظمت کے باعث اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے صحیح معنوں میں ممد و معاون ثابت ہو سکیں گے۔ اگر اہل علم کی شخصیتوں کو یہی رنگ نصیب ہو جائے تو ان کی تبلیغ یقیناً اُمت کو وحدت اور یکجہتی کی دولت عطا کرے گی۔



فرقہ پرستانہ سرگرمیوں کے خاتمے

کے لیے جدید قانونی اقدامات



فرقہ پرستی کے محرکات، عوامل اور اسباب کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ ہم نے اس کے سدباب کے لئے اہل اسلام کے سامنے ایک ایسا مفصل لائحہ عمل تجویز کیا ہے، جس پر کاربند ہو کر فرقہ پرستی کا اگر مکمل استیصال نہیں تو کم از کم اس کے مضر اثرات کا ازالہ کر کے انجام کار ملت اسلامیہ کی وحدت کے تصور کو عملی جامہ پہنچایا جاسکتا ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ فرقہ پرستانہ سرگرمیوں کے خاتمے کے لئے درج ذیل قانونی اقدامات کئے جائیں۔

- ۱۔ منافقانہ اور خفیہ فرقہ پرستی کی حوصلہ شکنی
- ۲۔ تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء پر مشتمل سپریم کونسل کا قیام
- ۳۔ ہنگامی نزاعات کے حل کے لیے سرکاری سطح پر مستقل مصالحتی کمیشن کا قیام
- ۴۔ مذہبی سطح پر منفی اور تخریبی سرگرمیوں کے خلاف عبرتناک تعزیرات کا نفاذ

(۱)

منافقانہ اور خفیہ فرقہ پرستی کی حوصلہ شکنی

فرقہ پرستی کے رجحانات پر گفتگو کے دوران اس کی دو صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کی پہلی صورت کو صریح فرقہ پرستی اور دوسری کو منافقانہ فرقہ پرستی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ صریح فرقہ پرستی پر سیر حاصل گفتگو ہو

چکی ہے۔ اب ہم دوسری صورت کو اپنی گفتگو کا موضوع بنائیں گے۔ اور تفصیل کے ساتھ اس پر اظہارِ خیال کریں گے۔ قرآن حکیم میں رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا
فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا
نَحْنُ مُصْلِحُونَ إِلَّا أَنَّهُمْ
هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن
لَّا يَشْعُرُونَ

اور جب انہیں کہا جائے کہ زمین
میں فساد مت پھیلاؤ تو کہتے
ہیں ہم ہی تو سنوارنے والے
ہیں۔ ہوشیار! وہی فساد
ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں۔

مندرجہ بالا آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے وعدتِ ملی سے منہ موڑ کر فتنہ و فساد کی راہ اختیار کر رکھی ہوتی ہے اور جب انہیں اس روش سے باز آنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ مٹھی بھر لوگ بزمِ خویش خود کو مصلح کے روپ میں پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ فی الواقع معاشرے میں فساد برپا کرنے کا موجب بن رہے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے اور انجام سے بے خبر اپنی دھن میں مگن رہتے ہیں۔

صریح فرقہ پرستی کا شکار ایسے لوگ ہوتے جن کی تعلیم و تربیت مخصوص مسلکی ماحول میں ہوئی اور دینی مدارس میں زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونے کے بعد جب وہ عملی زندگی کے میدان میں داخل ہوئے تو انہوں نے مسلکِ پُری اور اپنے مخصوص عقائد و نظریات کی تبلیغ کو ہی اپنا مطمح نظر بنا لیا۔ اس طرح فرقہ پرستی کی جڑیں گہری ہوتی چلی گئیں۔ اب الا ماشاء اللہ ہمارے علماء و مبلغین نے اس کی آبیاری کو ہی اپنا دینی فریضہ سمجھ لیا ہے۔ اس قبیل کی فرقہ پرستی پر سابقہ صفحات میں ہم تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں۔

منافقانہ فرقہ پرستی کا خاتمہ

منافقانہ فرقہ پرستی کی ماہیت کیا ہے اور اس کے اسباب و محرکات کیا ہیں؟

اس کی وضاحت کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ تعلیم کی روشنی جوں جوں پھیل رہی ہے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار ہو رہی ہے کہ فرقہ پرستی کا ماحول کسی طرح بھی اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں بلکہ یہ تصور جدید ماحول کے پروردہ اور روشن دماغ لوگوں میں مذہب سے نفرت اور بے زاری کا باعث بن رہا ہے۔

مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ اور سرمایہ ملی تفرقہ و انتشار کی زد میں آکر جس طرح زوال و انحطاط کا شکار ہو چکے ہیں اس پر ہر روز مند مسلمان طول اور دل گرفتہ ہے۔

فرقہ پرستانہ تقریروں کا میدان

جدید تعلیم سے بے بہرہ، نیم خواندہ لوگوں کے لئے فرقہ پرستانہ تقریریں آج بھی وقتی انبساط اور لطف اندوزی کا سامان فراہم کر رہی ہیں۔ لیکن جب ان تقریروں کا طلسم ٹوٹتا ہے اور لوگ ٹھنڈے دل سے غور کرتے ہیں تو ڈیڑھ دو گھنٹہ کی تقریر محض سعی لاحاصل اور تضحیح اوقات دکھائی دینے لگتی ہے۔ ان تقریروں سے اسلام کی کون سی خدمت بجالائی گئی اور ملت اسلامیہ کی ترقی اور ارتقار کی کون سی راہیں کھلیں؟۔ یہ سوالات ذرا سے غور و فکر کے نتیجے میں انسانی ذہن میں انگریزائیاں لینے لگتے ہیں

کیونکہ نوجوان نسل بطورِ خاص فرقہ پرستی کے چنگل سے آزاد ہونا چاہتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کے قلب و ذہن فرقہ پرستانہ میلانات کی غلامی سے آلودہ ہیں اور جن کو ذاتی یا گروہی مفادات دینِ اسلام سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں وہ جدید تعلیم سے بہرور ہونے کے بعد بھی ایک ایسی ڈگر کو اپنالیتے ہیں جو پہلے سے کہیں زیادہ بدتر فرقہ پرستی پر منتج ہوتی ہے۔ ایسے نام نہاد علماء اور سکالر قدیم طرز کی مولویت سے ظاہرانہ صرف بیزار دکھائی دیتے ہیں بلکہ وہ ان سب کو بلا تخصیص گردن زدنی متراکے کر روشن خیالی اور آزاد رومی (LIBERALISM) یا مذہبی رواداری کے نام پر اسلام کی ایسی زہرا کو تشریح و تعبیر کرنے لگتے ہیں جس سے فرقہ پرستی سے بیزار مسلم نوجوانوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا یا جاسکے۔ یہ نام نہاد اتحادِ امت کے علمبردار فرقہ پرستی کی اعلانیہ مذمت کرتے اور خود کو اس سے ماوراء قرار دینے کے بعد نوجوان نسل کے ذہنوں میں ایسا زہر اندھیلے ہیں جس کے اثرات فرقہ پرستی سے کہیں زیادہ ضرر رساں ہوتے ہیں۔

یہ نام نہاد مبلغین دوسرے مسالک و مکاتبِ فکر کی مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ اصلاح کے نام پر ایسی تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں جس سے فرقہ پرستی ایک ایسے روپ میں ظاہر ہونے لگی ہے جس کی بنیاد سب مسالک و مکاتبِ فکر اور عقائد و نظریات کی نفی ہوتی ہے اور نتیجتاً ایک نیا مکتبِ فکر وجود میں آجاتا ہے۔

متذکرہ بالا آیت

اصلاح کے پردے میں فساد انگیزی | کریمہ میں ایسے

افراد (منافقین) کی نشاندہی کی گئی ہے جنہوں نے اسلام ہی کا نام لے کر

تفرقہ اور فساد انگیزی کو اپنا شعار حیات بنا لیا ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس شرانگیزی سے باز آ جاؤ تو وہ مصلحین کا لباؤہ اور ڈھکراپنے آپ کو امت مسلمہ کا ہمدرد اور بھی خواہ ظاہر کرنے لگتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے عمل سے بدترین قسم کے شر اور فساد انگیزی کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں۔

قرآن الہم ہذا المفسد ذن کہہ کر خبردار کرتا ہے کہ ان کی ریشہ دوانیوں اور جیلہ سازیوں سے ہوشیار رہو اور ان کے دامِ تزویر میں نہ آؤ کہ وہ اصلاح کے نام پر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کا تہیہ کئے بیٹھے ہیں۔

نام نہاد مصلحین کے تزویری حربے

اسلامی تعلیمات سے والہانہ وابستگی رکھنے والا نوجوان مسلمان اپنے گرد و پیش فرقہ پرستی کی دیواریں کھڑی دیکھتا ہے تو وہ اسلام سے ہی بیزار ہونے لگتا ہے۔ اسے بریلویت، دیوبندیت، اہل حدیث، شیعیت ایسے تمام عنوانات سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ فرقہ پرستی کی بھول بھلیوں میں حیران و پریشان نوجوان بالآخر ان نام نہاد مصلحین کے ہتھے چڑھ جاتا ہے جو ہر مسلک اور مکتب فکر کے خلاف زہر اگلتے ہیں اور فرقہ پرستی یا منافرت کی تردید کے نام پر اسے اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ہی بیگانہ بنا ڈالتے ہیں۔ وہ اپنے زعم میں اسلام کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں۔ اور انتہا پسندی کے جوش میں اپنے سوا ہر ایک کو اسلام دشمن کافر، ملحد، لا دین اور مشرک قرار دیتے ہیں لیکن

خود عملاً فتنہ انگیزی کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ نوجوان نسل کے بچے
 ذہنوں میں انتشار کا بیج بو کر گمراہی کا پرچار کرتے ہیں۔ یہ عقلیت
 پرست زعماء _____ کالجوں۔ یونیورسٹیوں و فزروں
 اور جدید تعلیمی اداروں کی آغوش میں پلنے والے نوجوانوں کو بالخصوص
 اپنا شکار بنا لیتے ہیں۔ اسلام کی بنیادی قدروں سے نا آشنا نوجوان مسلمان
 ان کے تزویراتی حربوں کے سامنے بڑی آسانی سے سپردال دیتا ہے۔
 ان کا اسلوب اور طریق کار وہی ہے جس کی طرف قرآن اشارہ کرتے ہوئے
 فرماتا ہے۔

وَإِذِ اقْبَلْ لَهُمْ آمِنًا	اور جب انہیں کہا جائے کہ تم
كَمَا آمَنَ النَّاسُ	ایمان لاؤ جیسے (اور) لوگ
قَالُوا آمَنَّا نُوْمِنُ كَمَا	ایمان لاتے تو کہتے ہیں کیا ہم
آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ	ایمان لائیں جس طرح بے وقوف

ایمان لاتے؟

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منافقین انہیں تزویرانی
 حربوں سے کام لے کر مسلمانوں کو بہکانے اور راہ راست سے گمراہ کرنے
 کے درپے رہتے تھے۔ آج کے نام نہاد مصلحین کا یہ گروہ بھی اسی روش
 پر عمل کر مسلمانوں کی گمراہی کے لئے وہی دام فریب پھیلا رہا ہے جو عہد
 نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منافقین مدینہ کا شعار تھا۔ یہ اپنے
 آپ کو اصلاح کنندہ کہتے ہیں درحقیقت ان کو اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات
 عزیز ہوتے ہیں۔ یہ مذہبی لبادہ اوڑھ کر مذہب کے نام پر بڑی اجارہ داریاں

قائم کر لیتے ہیں اور اپنے سوا دوسرے مسلمانوں کو جاہل، بے وقوف اور بے عقل کہتے ہیں اور فرقہ پرستی کی مذمت کرتے نہیں ٹھکتے لیکن درحقیقت وہ خود منادی اور فرقہ پرست ہوتے ہیں۔ وہ اپنے انتہاء پسندانہ فکر و عمل سے ایسے نئے فرقوں کی بنیاد رکھ دیتے ہیں جن سے اُمتِ مسلمہ کی وحدت شدید قسم کے انتشار اور بے یقینی کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور وہ بقول حکیم الامت علامہ اقبالؒ

خرد توئے بمیرد از بے یقینی

کا مصداق بن جاتی ہے۔ یہ لوگ گواقلیت میں ہیں لیکن اپنے وسائل کے بل بوتے پر وہ اکثریت پر حاوی ہونے کی سعی کرتے ہیں۔ وہ مسلمان معاشرے میں ذہنی امریت کا تصور اجاگر کرتے ہیں۔ قرآن نے اسی ذہنی امریت کو منافقت سے تعبیر کیا ہے۔

اُمت کا سواِ اعظم گمراہ نہیں ہوتا

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اُمت کی اکثریت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی۔ یہ اُمت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ ال کے عقائد، اخلاق اور اعمال میں جزوی بگاڑ واقع ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ال کی اکثریت برائی اور گمراہی پر متفق اور مجتمع ہو جائے۔ وہ بے دینی پر مجتمع ہو ہی نہیں سکتی۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

۱)، علیکم بالجماعة لہ
 ۲)، وید اللہ علی
 الجماعة لہ
 تم جماعت کو لازم پکڑو۔
 جماعت پر اللہ کی حفاظت،
 کا ہاتھ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:
 ان اللہ لا یجمع
 امتی علی ضلالة
 بے شک اللہ تعالیٰ میری
 اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں
 فرمائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی
 میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اُمت کا اجماع ضلالت و گمراہی پر
 ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس اجماع کا مطلب پوری اُمت کا کسی کام پر
 سو فیصد متفق ہونا نہیں۔ کیونکہ یہ تو قطعی طور پر ویسے بھی ناممکن ہے۔
 کہ پوری اُمت بلا اختلاف کسی غلط بات پر متفق ہو جاتے۔ اختلاف
 رائے کا ہونا منطقی اور قدرتی عمل ہے۔ متذکرہ بالا احادیث مبارکہ
 کا مقصد درحقیقت اس تصور کو ذہنوں میں جاگزیں کرنا ہے کہ اُمت
 مسلمہ کی بھاری اکثریت شر و فساد اور ضلالت و گمراہی پر کبھی مجتمع نہیں
 ہو سکتی۔ یہی اس اُمت کی خصوصیت ہے۔ اس تصور کی وضاحت
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث صحیح سے ہو جاتی ہے۔

۱۔ ترمذی ۲ : ۳۹ لے ترمذی ۲ : ۳۹

سنن ترمذی ۲ : ۳۹۔ اس قسم کی ایک روایت سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔
 ان امتی لا تجتمع علی ضلالة فاذا راہیتم اختلافاً فاعلیکم بالسواد
 الاعظم (ابن ماجہ ۲۹۲ ابواب الفتن، باب السواد الاعظم)

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا -

اشان خیر من واحد	کسی مسئلے پر دو افراد کا ایک کے
وثلاث خیر من	مقابلے میں جمع ہونا محفوظ تر ہے اور اس طرح
اشنین واربعة خیر	چار تین کے مقابلے میں بہتر ہیں
من ثلاثہ فعلیکم	پس تم پر اکثریتی جماعت کی پیروی
بالجماعة فان اللہ	لازم ہے کیونکہ اللہ رب العزت
عز وجل لن یجمع	میری امت کو سوائے ہدایت کے
اُمتی الا علی ہدی	کسی غلط بات پر جمع نہیں ہونے
لہ	دے گا -

فرمودہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ”علیکم بالجماعة“ اس بدیہی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ امت کی جمعیت بہر حال بہتر ہوتی ہے اور اکثریت اقلیت کے مقابلے میں زیادہ محفوظ و مامون ہوتی ہے۔ حضرت ابو جعفرؑ سے حضرت عمرؓ کا ارشاد مروی ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی وضاحت ہوتی ہے -

قال عمر بن الخطاب رضی	حضرت عمر بن الخطابؓ اصحاب
لاصحاب الشوری	شوری سے ارشاد فرمایا کہ
تشاوری امرکم	اپنے امور میں باہمی مشورہ کیا
فان کان اشان واثان	کرو۔ اگر کسی مسئلہ پر تمہاری
فارجعوا فی الشوری	رہے، دو اور دو میں مساوی

لہ سند احمد بن حنبل ۵۰: ۱۴۵

والفکان اربعة واثان
فخذوا صنف الاكثر
لے
تقسیم ہو جائے تو پھر اسے شوری
میں لے جاؤ۔ اگر رائے کی تقسیم
چار اور دو میں ہو جائے تو
اکثریتی رائے کو اپنالو۔

اسلام کی روح شوراہیت

ہو جائے اور لوگ دو گروہوں میں برابر برابر تقسیم ہو جائیں تو پھر آپس
میں باہم مشاورت کر لی جائے۔ اسلام میں شوراہیت کی یہ روح ہی
اصلی جمہوریت ہے جس کو اکثر لوگ غلط فہمی سے مغرب کی طرف سے آیا
ہوا تصور خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ مغرب کے اقتدار و غلبہ کی تاریخ دو
تین سو سال سے زیادہ پرانی نہیں اور اسلام کے وضع کردہ جمہوریت کو چودہ
صدیوں سے زائد عرصہ بیت چکا ہے۔ اسلامی اقتدار کی چودہ سو سال
تاریخ جس میں خلافت راشدہ اور اسکے بعد آنے والے ادوار شامل
ہیں اس امر کی شاہد ہے کہ اکثریت کے جمہوری حق کا ہمیشہ احترام کیا جاتا
رہا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی عمل رہا ہے جس پر
خلفائے راشدین اور بعد میں آنے والے سنتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے متبع حکمران کار بند رہے ہیں۔ اسلام میں مطلق آمریت کا
تصور اس کی روح جمہوریت و شوراہیت سے متضاد ہے۔ خلفائے راشدین کا
بھی یہی عمل رہا ہے کہ وہ ہر اہم فیصلہ اکثریت رائے سے طے کرتے۔ اس سلسلے

۱۔ کنز العمال، ۵: ۳۳۳، حدیث، ۱۴۲۵ (طبقات ابن سعد، ۳: ۶۱)

میں حضرت علی کا ایک ارشاد نبی البلاغہ میں مروی ہے فرماتے ہیں۔

وسیعہ لک فی صنفان :
 محب مفرط یذهب بہ
 الحب الی غیر الحق
 ومبغض مفرط یذهب
 بہ البغض الی غیر الحق
 وخیب الناس فی
 حالاً النمط الاوسط
 فالزموا - والزموا
 السواد الاعظم فان
 ید اللہ علی الجماعۃ
 وایاکم والفرقۃ فان
 الشازم من الناس
 للشیطان کما ان الشاذ
 من العثم للذئب الامن
 دعا الی هذا الشعار
 فاقتلوه ولو کان
 تحت عمامتی ہذہ

میرے پاسے میں دو گروہ ہلاکت
 کا شکار ہونگے پہلا وہ جس نے
 میرے ساتھ محبت میں غلو کیا
 اور حق کے راستے سے دور
 چلا گیا۔ دوسرا وہ جس نے
 میرے ساتھ بغض میں غلو کیا اور
 گمراہ ہوا۔ میرے ساتھ محبت
 میں جو اعتدال اختیار کرے گا۔
 وہی سب سے بہتر ہے۔ اے لوگو
 تم بھی اسکے ساتھ بن جاؤ اور
 جماعت سے منسلک رہو کیونکہ
 جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے
 فرقہ بازی سے باز آؤ کیونکہ علوم
 کی اکثریت سے علیحدہ ہونے
 والا شیطان کا ساتھی ہے جس
 طرح ریوڑ سے علیحدہ ہونے والی
 بکری بھیڑیے کی نذر ہو جاتی ہے
 اے لوگو! جو جماعت سے علیحدگی
 کا طریقہ اختیار کرے اسے قتل کرو
 اگرچہ وہ میرے عمامے کے نیچے ہی

لہ نبی البلاغہ ۲ : ۱۲/۱۱

پناہ لینے والا کیوں نہ ہو -

علامہ مرحوم نے اسی تصور کو یوں بیان کیا ہے -

حرزِ جاں کن گفتہ خیر البشر

ہست شیطان از جماعت دورتر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت سے وعدہ کیا ہے کہ خدا ہمیشہ میری امت کی اکثریت کا ساتھ دے گا اور میری امت کی اکثریت کبھی صراطِ مستقیم سے نہیں بھٹکے گی -

قرآن حکیم ان مٹھی بھر لوگوں کی اقلیت کو جو مسلمانوں کی اکثریت کو بے وقوف اور بے عقل گردانتی تھی - خود بے وقوف اور بے عقل کہہ رہا ہے - **الَا اِنَّهُمْ هُمُ السَّفَهَاءُ** - وہ خود راہِ حق سے بھٹکے ہوئے اور بے عقل ہیں - قرآن حکیم کی تعلیمات چونکہ ابداً لا باء تک ناقابلِ تغیر ہیں لہذا آج بھی ان کی حقانیت میں ذرہ بھر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے - قرآن ان لوگوں کو جو خود کو اصلاح کنندہ کے طور پر پیش کر کے صرف اپنے آپ کو حق و صواب پر قائم اور دوسرے تمام مسلمانوں کو گمراہ لادین اور عقل و دانائی سے عاری قرار دیتے ہیں - گم کردہ راہ اور بے عقل کہتا ہے -

اسلام کی پوری

تاریخ اسلام کے شواہد و نظائر | تاریخ اٹھا کر دیکھیں

تو یہ بات واضح طور پر نظر آئے گی کہ جتنی بھی الحادوی تحریکیں باطل فرقے اور متکبر قیادتیں ابھری ہیں وہ اصلاح کا نعرہ لے کر اٹھی ہیں - ان کے داعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی اکثریت کو گمراہ اور خود کو

حق و راستی کی راہ پر سمجھتے آتے ہیں۔ اس کی ابتداء خلافت راشدہ کے دورِ آخر سے ہی ہو گئی تھی۔ جب خوارج کا ایک اقلیتی ٹولہ وجود میں آیا جنہوں نے اب الحکم الملائکہ کا نعرہ بلند کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا حق حکمرانی کسی کو حاصل نہیں، انہوں نے حکومتِ الہیہ کی آرٹ میں اپنے سوا باقی سب کو مشرک و کافر قرار دے دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو بھی کافر و مشرک کہا اس تکفیر کی زد میں سب صحابہ تابعین اور تبع تابعین آگئے۔ خارجیوں نے ان اکابر صحابہ کے خلاف بلا تخصیص و امتیاز جنگ کا اعلان کر دیا بالآخر حضرت علیؓ کی شہادت بھی ایسے ہی لوگوں کے ہاتھوں سے ہوئی۔

بعض مبلغین کے ظاہر و باطن کا تضاد اور ارتدادِ نبوی ﷺ

وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں کے بارے میں پیش گوئی فرمادی تھی کہ وہ نماز، روزہ اور دوسری فرضی اور نفل عبادات کے پابند ہوں گے۔ برعکس خویش قرآن کے بہت بڑے علمبردار ہوں گے اور وہ قرآن کی حکمرانی کے داعی بھی ہوں گے اور تلوار لے کر جہاد کے لئے ہمہ وقت مستعد اور تیار بھی نظر آئیں گے۔ لیکن ان کا نقطہ نظر یہ ہو گا کہ وہ اپنے سوا باقی سب کو گمراہ کافر و مشرک اور واجب القتل سمجھیں گے۔ دیکھنے والا ان کے نماز، روزہ اور نفل عبادات میں استغراق اور خشوع و خضوع سے ڈھوکا کھا جائے گا۔ لیکن آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہ دین و ایمان سے اس طرح خارج ہو چکے ہوں گے جیسے شکاری کا تیر شکار کے اندر سے گزر جاتا ہے اور اس کی نوک پر ایک قطرہ خون بھی

تعم نہیں رہتا۔ ان کا ظاہر مسرتا پاپا اسلام لیکن باطن اسلام اور ایمان کے نور سے خالی ہوگا۔ انکی زبانوں سے شیریں مقالی اور شکر بیانی ٹپکے گی لیکن ان کے دل بھیڑیے کی درشتی سے سوا ہوں گے۔ ظاہر اُمت کی اصلاح کا دم بھریں گے۔ لیکن اپنے عمل سے وہ اپنے اس دعوے کی نفی کریں گے۔ اور اُمت میں بدترین انتشار اور نفاق کا بیج بوئیں گے۔ وہ اسلام سے وفاداری کا دم بھر کر اسلام دشمنی کی راہ اختیار کریں گے۔ یہ منافقانہ فرقہ پرستی جس کی نشاندھی منجر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادی تھی ہر دور میں موجود رہی ہے۔ آج بھی ایسے لوگ سرگرم عمل ہیں جو بظاہر اسلام کے سب سے بڑے شیدائی اور فرقہ پرستی سے متنفر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ لوگ جدید تعلیم سے بہرہ ور ہونے کے بعد اسلامی تعلیمات کے بہت بڑے مبلغ بن گئے اور اپنی دانست میں اپنے سوا باقی سب کو جاہل، مشرک اور واجب القتل سمجھنے لگے ہیں۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ فرقہ پرستی کی مذمت اور اتحادِ ملت کے نام پر نوجوانوں کو اس انداز سے تعلیم دیتے ہیں کہ وہ اپنے سوا باقی سب مسلمانوں کو گردن زدنی سمجھنے لگتے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ کے لئے صریح فرقہ پرستی اتنی نقصان
ایک اہم نکتہ اور ضرر رساں ثابت نہیں ہوئی جتنی کہ موجودہ منافقانہ

فرقہ پرستی ثابت ہو رہی ہے۔ اس فرقہ پرستی کے پیرو اور نام نہاد مبلغین بڑے شد و مد سے دعوے کرتے ہیں کہ حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں اور ان کے سوا باقی سب دنیا جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہے۔ سوچتے اور غور کیجئے کہ اگر ذہنی تعصب اس حد

تک پہنچ جائے تو اس فضا میں جنم لینے والی فرقہ پرستی کتنی خطرناک
 مضمرات کی حامل ہوگی۔ ان فرقہ پرستوں کا طریق کار یہ ہے کہ وہ تعلیم
 یافتہ نوجوانوں کو اپنا بدف بناتے ہیں اور ان کو اپنے گرد کھینچ کر فرقہ پرستی
 کی مذمت اور اتحادِ ملت کی ضرورت پر اپنا زور بیان صرف کرتے ہیں۔
 لیکن وحدت کے نام پر وہ قوم کے اندر ایسا انتشار پیدا کر دیتے ہیں کہ
 ملت گروہ درگروہ تقسیم ہو کر اپنی قوت اور توانائی سے محروم ہونے
 لگتی ہے۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس منافقانہ اور خفیہ فرقہ پرستی
 کے میلانات کی سمجھی سے حوصلہ شکنی کی جائے تاکہ نئی نسل اس غیبر
 محسوس زہر سے اپنے دل و دماغ کو تحفظ فراہم کر سکے۔ یہ کام تبھی ممکن ہے
 کہ یہ تصور اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ فرقہ پرستی کسی خاص مسلک
 مکتب فکر یا کسی مخصوص عنوان کو نہیں کہتے بلکہ اس سوچ اور زاویہ نگاہ کو
 کہتے ہیں جو ہر دوسرے کو غیر مسلم، لادین اور کافر و مشرک بنانے سے
 عبارت ہو اور جس کے نتیجے میں صرف خود کو حق پر قائم تصور کیا جائے
 اور باقی تمام مسلمانوں کو گمراہ۔

(۲)

تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء پر مشتمل سپریم کونسل کا قیام

ہر نوعیت کی فرقہ پرستی کی قانونی حوصلہ شکنی کے ساتھ ساتھ مختلف مکاتب فکر کے
 نمائندہ مسلمہ علماء پر مشتمل ایک کونسل قائم ہونی چاہیے جس میں مشترک طور پر ایک ضابطہ

طے کیا جائے۔ تاکہ ہر مسلک کے واعظین مقررین مبلغین اور علماء و مصنفین اس ضابطہ اخلاق کے دائرہ میں رہ کر دعوت تبلیغ دین اور اشاعت مسلک کا کام کریں۔ اس ضابطہ اخلاق کے ذریعے اس امر کی ضمانت مہیا کی جائے کہ کوئی شخص کسی مسلک کے خلاف بالواسطہ یا بلاواسطہ کچھ نہ اچھال سکے۔ یہ کونسل ایسے اکابر اور ذی اثر علماء پر مشتمل ہو کہ ان کے متعلقہ ممالک کے علماء و مبلغین ان کی ہدایت پر سختی سے عمل درآمد کے پابند ہوں۔ ان علماء کے ذریعے اس امر کی یقین دہانی حاصل کی جائے کہ اس اخلاقی ضابطے کی خلاف ورزی کرنے والا کوئی بھی خطیب مقرر، مصنف اور مبلغ نہ صرف اپنے اکابر کے سامنے جوابدہ ہوگا بلکہ اس کے خلاف مسلکی اور تنظیمی سطح پر تادیبی کارروائی بھی کی جائے گی۔ مثلاً اس مسلک سے متعلق کسی بھی مذہبی یا سیاسی تنظیم میں اسے کسی عہدہ پر برقرار نہ رکھا جائے گا اسکی رکنیت کو معطل کر دیا جائے گا مذہبی اور تنظیمی اجتماعات میں اسے نمائندے کے طور پر شمولیت سے باز رکھا جائے گا اور شہری تنظیمی سطح پر اسے اسکی مسجد کی خطابت یا متعلقہ ادارے کی نظامت و سربراہی سے علیحدہ کرنے کے لیے اخلاقی دباؤ ڈالا جائے گا۔

ان اقدامات کے پیچھے جب تک اس نوعیت کی موثر اور فیصلہ کن اخلاقی ضمانتیں موجود نہیں ہوں گی، یہ محض نیک تمناؤں اور آرزوؤں کا پلندا ہوگا۔ ایسی سفارشات سے اتحاد اُمت کی منزل کی طرف ٹھوس پیش رفت نہ ہو سکے گی۔

اس وقت عملاً صورت حال یہ ہے کہ ہر طبقہ و مسلک کے ذمہ دار افراد اُمت کو انتشار و افتراق کی آگ سے نجات دلانے اور وحدت و یکجہتی کی فضا کو فروغ دینے کے لیے اتحاد و اخوت کی بات تو کرتے ہیں۔ ایسے منصوبوں میں شامل بھی ہوتے ہیں، اخباری بیانات کے ذریعے فرقہ وارانہ رجحانات کی مذمت بھی کرتے ہیں لیکن انہیں بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اپنی جماعت تنظیم اور مسلک سے تعلق رکھنے والے کون کون سے افراد بالواسطہ یا بلاواسطہ فرقہ وارانہ تضادات و فسادات کو ہوا دینے میں ملوث

ہیں۔ ان کے زیر اثر کتنے حلقے اپنے مزعومہ مفادات کی خاطر فرقہ دارانہ کارروائیوں اور سازشوں کی نہ صرف حوصلہ افزائی بلکہ سرپرستی فرما رہے ہیں اور کس حد تک ان کے دامن اس گھناؤنے جرم کی سیاہی سے داغدار ہیں۔ مگر وہ نہ تو انہیں اس عمل سے روکتے ہیں اور نہ ان کے خلاف جماعتی سطح پر کوئی کارروائی عمل میں لاتے ہیں۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ان طبقات نے اپنی ”واردات“ کیلئے جدوجہد اعماذ کھولے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک کے ذمے ”قتل“ ہے۔ دوسرے کے ذمے اخبارات میں بیانات مذمت اور تیسرے کے ذمے ”مصالحت“۔ ہر ایک کو اس کے منصب اور حیثیت کے مطابق کام سونپا گیا ہوتا ہے۔ مقصد (اللہ ماشاء اللہ) سب کا ایک ہے مگر طریقے جدا جدا، ایک چہرے پر کئی چہرے بجانے والے جب تک خود اپنے اندر صدق و اخلاص پیدا کر کے اس دجل و فریب اور مناققانہ روش سے باز نہیں آتے اس وقت تک اس لعنت سے نجات بہت مشکل ہے۔

(۲)

ہنگامی نزاعات کے حل کے لیے سرکاری سطح پر مستقل مصالحتی کمیشن کا قیام

بعض اوقات مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے دو حلقوں میں کسی مسئلے پر ایک ہنگامی نزاع واقع ہو جاتا ہے۔ جو مقامی سطح پر باہمی افہام و تفہیم سے حل نہیں ہو سکتا اور یہ نزاع بڑھ کر وسیع پیمانے پر فرقہ دارانہ کشیدگی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے واقعات کے بار بار رونما ہونے سے وحدت و یکجہتی کے مقصد کو خاصا ضعف پہنچتا ہے۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ جب ایسی صورت حال سے امن عامہ کو خطرہ لاحق

ہونے لگے تو حکومت مداخلت کر کے مصالحتی کمیشن یا تحقیقاتی ٹرے بیوریل وغیرہ قائم کرتی ہے۔ لیکن نزاع کو نقصان کے واقع ہو جانے کے بعد رفع کرنے سے زیادہ بہتر ہے کہ نقصان کے وقوع سے پہلے اس کا تدارک کر دیا جائے۔

اگر ایسے نزاعات کو نبٹانے کی ذمہ داری کسی ایک غیر جانبدار تحقیقاتی اور مصالحتی کمیشن یا ٹریبیونل کے سپرد کر دی گئی ہو، جو اختلاف و نزاع کے پیدا ہوتے ہی معاملے کی مکمل تحقیق کر کے فیصلہ دے اور فی الواقع متاثر ہونے والے فریق کی داد دے کر سے تو منگائی کشیدگیوں کے مزید فروغ پانے کی گنجائش نہیں رہے گی۔

اگر کسی طبقے کو اپنے مسلکی و مذہبی حقوق کے پامال ہونیکا شکوہ حکومت کے خلاف ہو تو اسکا فیصلہ بھی آزادانہ طور پر اسی عدالت کے ذریعے ہو سکے۔ مذہبی حقوق کی ایسی آزادانہ داد دہی کا سرکاری سطح پر اہتمام ہو تو مطلوبہ نتائج کا حصول نہ صرف بہت آسان ہو جائے بلکہ بعض بے بنیاد غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہو سکے گا جن کے سبب سے مستقل طور پر باہمی عناد و مخالفت کی فضا قائم رہتی ہے۔

(۴)

مذہبی سطح پر منفی اور تخریبی سرگرمیوں کے خلاف عبرتناک

تعمیرات کا نفاذ

فرقہ وارانہ تخریبی سرگرمیوں کے ذریعے، اُمتِ مسلمہ کے شیرازہ اتحاد کو پارہ پارہ کرنا، بلاشک شبہ ”فساد فی الارض“ ہے۔ اور شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی قیمت پر ”فساد فی الارض“ کے جرم پر معافی کی روادار نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ

اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ يُعَاوَنُونَ

فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ

يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ

وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَخُوا

مِنَ الْأَرْضِ ۗ

جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے

اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں انکے

جرم کی سزا یہی ہے کہ چُن چُن کر قتل کر دیے

جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا انکے

ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے

پاؤں کاٹے جائیں یا زمین میں انکی نفل و حرکت

بند کر دی جائے یعنی قید کر دیے جائیں۔

ہر جہد کہ اس آیت کریمہ کا اطلاق عام طور پر ڈاکے پر کیا گیا ہے لیکن خود قرآن و سنت

سے ثابت ہے کہ ”فساد فی الارض“ کا حکم کئی اور جرائم پر بھی صادر ہوتا ہے۔

سورۃ بقرہ میں منافقین کی فتنہ پردازیوں کو فساد فی الارض سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا

فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ

مُصْلِحُونَ ۗ

اور جب ان سے کہا جائے کہ زمین میں

فساد انگیزی نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اصلاح

کرنے والے ہیں۔

قرآن و حدیث میں جس شدت کے ساتھ اسلام میں تفرقہ پروری اور فتنہ پردازی

کی مذمت کی گئی ہے اسے فساد فی الارض تصور نہ کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں ہو سکتا۔

لہذا اخلاقی جماعتی اور سرکاری سطح پر باوجود تمام تنبیہی، تذکیری اور تادیبی کوششوں

کے، اگر کوئی شخص اپنی نام نہاد گروہی قیادت چمکانے اور مذموم مفادات کو

حاصل کرنے کے لیے اُمت میں فرقہ وارانہ تحریکی کارروائی کا مرتکب ہوتا ہے تو

ۗ (المائدہ (۵) : ۳۳) ۗ (البقرہ (۲) : ۱۱)

اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ ایسے شخص کو "فساد فی الارض" کے منجین جرم کے تحت تعزیری سزا دے۔ جرم کی منجینی کے پیش نظر قرآن مجید نے چار متبادل سزائیں بیان فرمادی ہیں اور احادیث کے ذریعے بھی بعض دیگر تعزیرات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

چنانچہ اس مقصد کے لیے حسب ضرورت سخت سے سخت تر سزا دے کر ایسی تخریبی کارروائیوں کا نکل استیصال کیا جانا چاہیے۔ متزاد یہ کہ فرقہ وارانہ تخریبی کارروائیاں صریحاً "قتلہ" کے ذیل میں ہی آتی ہیں۔ جسے قرآن قتل سے شدید تر جرم قرار دیتا ہے۔ الغرض ایسی کئی شرعی دفعات ہیں جن کے تحت تعزیراتی نظام نافذ کر کے اس لعنت کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

بے شک ایسی تخریبی کارروائیاں، مذہب کے نام پر کی جاتی ہیں مگر واضح ہو کہ ان کے خلاف ایسے تعزیراتی اقدامات سے مذہب کا تقدس قطعاً پامال نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب کسی نام نہاد مذہبی کارروائی سے اسلام اور امت مسلمہ کے مجموعی مفاد کو نقصان پہنچ رہا ہو تو اسلام اسے سرے سے "مذہبی عمل" ہی تصور نہیں کرتا بلکہ دین و مذہب کے خلاف ایک منافقانہ سازش سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن شاہد ہے کہ منافقین مدینہ نے "مسجد" کے نام پر ایک مذہبی مرکز اور عبادت گاہ تعمیر کی تھی۔ چونکہ اس کا مقصد مسلمانوں میں تفرقہ پید کرنا اور اسلام کے استحکام کو نقصان پہنچانا تھا اس لیے نبی کریم کو نہ صرف اس میں نماز ادا کرنے سے منع فرمایا گیا بلکہ اسے مسمار کر کے جلا دینے کا حکم صادر ہوا اور نتیجہً ایسے ہی کیا گیا ارشاد باری ملاحظہ ہو:-

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا
ضَرَارًا أَكْثَرًا مِّنْ نَّفْعِهِمْ
لَبِئْسَ الْعَامِلِينَ وَإِذْ صَادُوا
أُورِثُوا مَسْجِدَ بَنِي إِسْرَائِيلَ
الَّذِينَ اسْتَفْسَدُوا فِيهِ
فَلَمَّا سَأَلْنَا الَّذِينَ أُورِثُوا
عَنْهُ عَنِ مَسْجِدِهِمْ
أَجَابُوا أَنَّا مَسْجِدٌ مِّنْ قَبْلِهِ
اسْمُ اللَّهِ كَانَتْ لِقَوْمِهِ
ذِكْرًا لِلَّذِينَ احْتَمَبُوهُ
فَلَمَّا تَوَلَّوْا الْخَلْقَ
أَجَابُوا لِقَوْلِ اللَّهِ
عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ مِّنْهُمْ
مِنْ نَّبِيِّهِ لَوْ كُنْتُمْ
عَادِلِينَ لَأَرْسَلْنَا
رِجْسًا مِّنَ السَّمَاءِ
عَلَيْكُمْ فَتُكْفَرُونَ

اور جنہوں نے مسجد بنائی مسلمانوں کو
نقصان پہنچانے کے لیے اور
اہل ایمان میں تفرقہ ڈالنے کے لیے اور

ایسے لوگوں کی تاک میں جو پہلے سے ہی اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں۔ وہ یقیناً قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو محض نیکی کا ارادہ کیا ہے۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اے محبوب! تم اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہونا۔

لَمَّا حَارَبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
مِنْ قَبْلُ طَوَّلُوا وَيَحْلِفُونَ
أَنَّا إِنَّا إِلَّا الْحُسْنَى ط وَاللَّهُ
يَشْهَدُ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ
لَا تَقْتُمْ فِيهِ أَبَدًا ط

۱۵

جس طرح اس مسجد کا مسمار کیا جانا، کسی اسلامی شعار کی بے حرمتی کا سبب نہیں بنا اسی طرح تفرقہ پرست اور تخریب کار افراد کے خلاف تعزیری کارروائی قطعاً علماء اسلام کے تقدس کے خلاف تصور نہیں ہو سکتی۔ اسلام کی حرمت، دین کا استحکام اور امت کی وحدت و یکجہتی ہر شخص کی ذاتی عزت سے زیادہ عزیز ہے علماء اسی وقت تک دین کی عزت و حرمت کا سبب اور علامت سمجھتے ہیں۔ جب تک وہ دین کی عزت و حرمت کے لیے مصروف کار رہیں۔ اگر وہ خود اپنے قول و عمل کے تضاد، منافرانہ روش اور منافقانہ مساعی کے باعث امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے لگیں تو وہ ہرگز حرمت دین کی علامت تصور نہیں ہو سکتے۔ پھر ان کی حیثیت مجرمانہ ہو جاتی ہے اور ایسے اشخاص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث سے واضح رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج کچھ لوگوں کو دیکھا جن کی زبانیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
رَأَيْتُ لَيْلَةَ اسْرِيَ بِي رَجَالًا
تَقْرُضُ شَفَاهِمَ بِمَقَارِضٍ

۱۵ توبہ ۹: ۱۰۴

مِنْ تَارِقِلْتِ مِنْ هَوْلَاءِ يَاجِبْرِئِيلِ
 قَالَ هَوْلَاءِ خُطْبَاءُ مِنْ أُمَّتِكَ
 يَا مَرْوَانَ النَّاسِ بِأَبِي وَبَنِيهِ
 الْفُضَيْلِ فِي رَوَايَةٍ الَّذِينَ يَقُولُونَ
 مَا يَفْعَلُونَ وَيَقْرَأُونَ كِتَابَ اللَّهِ
 وَلَا يَعْمَلُونَ .

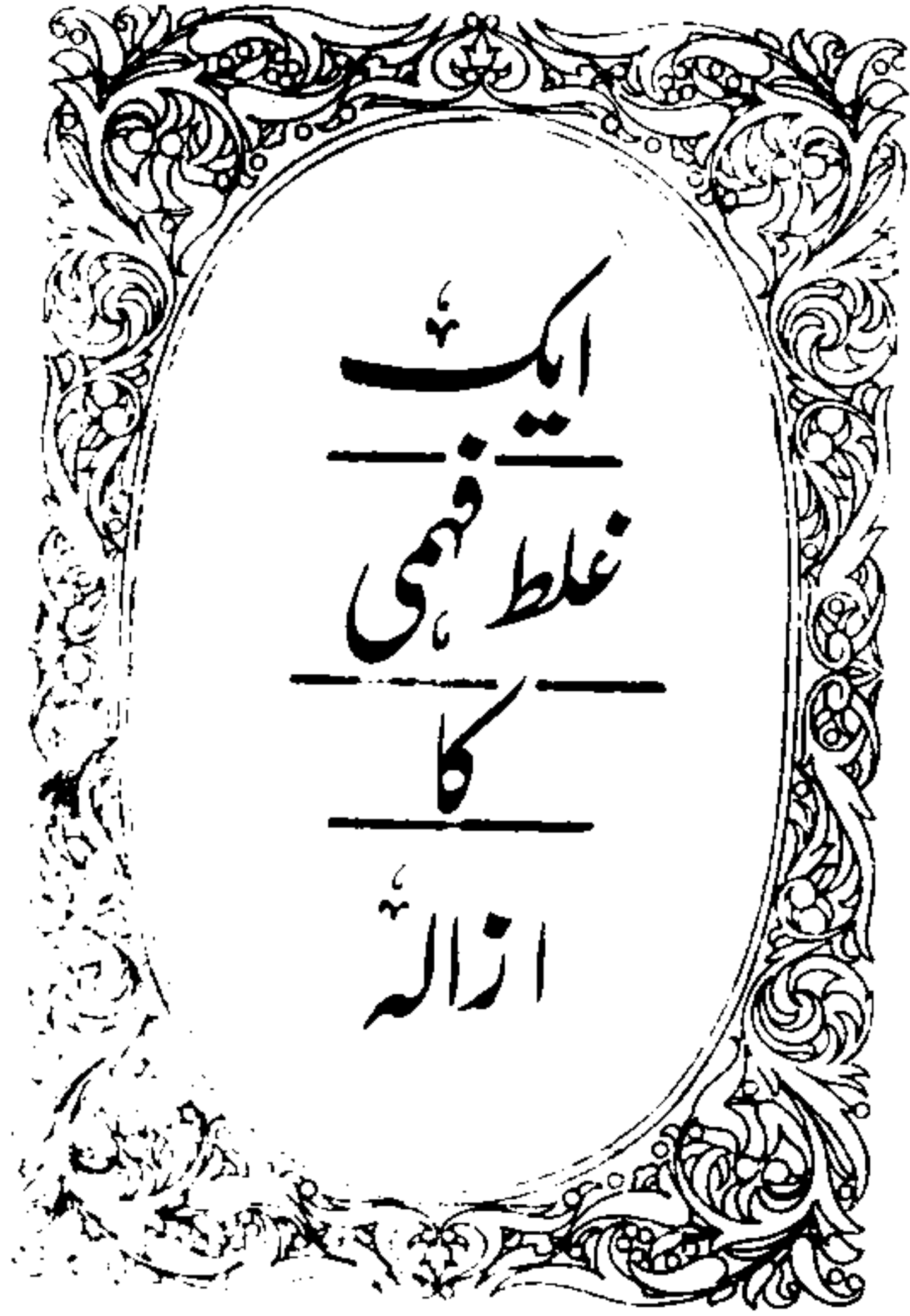
(شرح السنن، شعب الأيمان)

تھیں۔ میں نے جبرئیلؑ میں سے پوچھا کہ
 یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا
 یہ آپکی اُمت کے وہ خطباء اور وعظما
 ہیں جو لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں مگر
 اپنے آپ کو نظر انداز کرتے ہیں۔

دوسری روایت کے مطابق یہ وہ خطباء ہیں
 جو دوسروں کو بھلائی کی بات کہتے ہیں لیکن
 خود عمل نہیں کرتے اور قرآن پڑھتے ہیں
 لیکن اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔



۱۔ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح: (۲۳۸)





یہاں برسبیل تذکرہ ہم ایک ایسی غلط فہمی کا ازالہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کی نسبت بعض لوگوں کے ذہن میں پیدا ہو گئی ہے۔ حضور کا فرمان ہے۔

اختلاف اُمتی رحمة
میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے

اس فرمودہ رسول کی حکمت و فلسفہ پر روشنی ڈالنے سے پہلے ایک بنیادی اصول ذہن نشین رہے کہ علمی مسائل میں اختلاف بیدار مغز می، صحت مند اور توانا سوچ کی علامت ہوا کرتا ہے۔ علمی اختلاف کی اہمیت کو ایک تمثیل سے واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ بیس بیس طلباء کی ایک جماعت کو حل کرنے لئے ایک ایسا پرچہ تھا دیا جاتا ہے جو حسابی نوعیت کا نہ ہو۔ بلکہ غور و خوض اور سوچ بچار کا متقاضی ہو۔ اگر تمام لڑکوں کے پرچے کو حل (SOLVE) کرنے پر سوال کا ایک سا جواب آئے اور کہیں کوئی اختلاف نظر نہ آئے۔ تو یہ کیسا نیت اس امر کی غماز ہوگی کہ پرچے کو حل کرنے میں نقل چلی ہے اور اپنی عقل کو استعمال کرنے کی توفیق کسی کو نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اگر مختلف جوابات سامنے آئیں تو یہ اختلاف اس امر کی نشان دہی ہوگا کہ طلباء نے محنت اور ذوق و شوق سے پڑھا ہے اور وہ اپنی تمام تر دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ علم و فکر کا باہمی اختلاف اور تنوع بہتر نتائج پیدا کرتا ہے۔ اور متحرک سوچ کو نیا رخ عطا کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذکورہ ارشاد اسی حکمت پر دلالت

کرتا ہے۔ علمی اختلاف کے دروازے بند کر دینے سے سوچ میں جمود اور تعطل واقع ہو جاتا ہے۔ جس سے معاشرے کا ارتقائی عمل رک جاتا ہے اور زندگی کی جدوجہد میں ترقی اور پیش رفت کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ آج کی دنیا میں علوم و فنون میں مجیر العقول ترقی علمی و فکری اختلاف کی مرہونِ منت ہے۔ بلکہ ہر فن اور علم کا ارتقاء، ہمیشہ تحقیق اور اجتہادی اختلاف و اختلاف ہی پر منحصر ہوتا ہے۔

اختلاف و اشتقاق میں فرق | اُمت کا اختلاف اس وقت تک رحمت ہے جب

تک یہ علمی حلقوں اور علماء کے دائروں میں محدود ہے لیکن جب یہ اختلاف علمی اجتہاد و ارتقاء کی بجائے سیاسی مقاصد، منفعت براری اور حصول جاہ و منزلت کے لئے استعمال ہونے لگے تو پھر یہ اختلاف باعثِ رحمت و ثواب نہیں بلکہ باعثِ رحمتِ عذاب بن جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اُمتِ مسلمہ کی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ گلی کوچوں، مکنتوں اور مسجدوں کے محراب و منبر سے اختلافات کا ابھرنا اُمتِ مصطفویٰ میں بدترین قسم کے انتشار اور تفرقہ کو جنم دیتا ہے۔ دین کو کاروبار اور پیٹ کے دھندے کے لئے استعمال کیا جانے لگے تو ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں الگ بن جاتی ہیں۔ ہر شخص کو چہ و بازار میں اختلافی مسائل کو ہوا دینے لگتا ہے۔ اور فروعات میں الجھ کر ہر وقت ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو کر مرنے مارنے پر اتر آتا ہے۔ اس ماحول میں اختلافات دشمنی کا روپ دھار لیتے ہیں اور مسلمان مسلمان کے خون کا پیاسا بن جاتا ہے، باہمی محبت و موافقت کے تمام رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور مسلمان ہو کر بھی ایک دوسرے کو ہافروں سے تر سمجھنے لگتے ہیں۔

مثبت اسلوب بیان سے اختلاف، زنت رہتا ہے مگر منفی اسلوب بیان اسی کو زحمت بنا دیتا ہے۔ اس نکتے کی وضاحت ایک سادہ سی مثال کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔ آپ کے پاس ایک گلاس ہے جو ایک تہائی پانی سے بھرا ہوا ہے۔ آپ اس بات کو بیان کرنا چاہیں تو تو کہہ سکتے ہیں کہ گلاس کا ایک تہائی حصہ پانی سے بھرا ہوا ہے یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ گلاس کا دو تہائی حصہ پانی سے خالی ہے دونوں طرح بات ایک ہی ہوگی۔ پہلا انداز مثبت اور دوسرا منفی ہوگا۔ مثبت انداز میں اچھائی اور خوبی اور منفی انداز میں نقص اور کمی کا ذکر ہوگا۔

دینی تبلیغ و دعوت میں تنقیدی اور منفی انداز اختیار کرنے کی بجائے تحقیقی، علمی اور مثبت انداز اپنانا ہمیشہ سود مند اور بہتر نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔ کسی کی دلائل زاری نہیں ہوگی اور ہر گتے فکر کا آدمی بڑے سکون اور دل جمعی سے آپ کی بات کو سنے گا اور اس سے استفادہ کرے گا۔

مذہبی زندگی میں موجود اختلافات و مناقشات کا ازالہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مسلک کے ذمہ دار اصحاب اختلافی مسائل کی تشریح و تعبیر کرتے ہوئے دوسرے مسلک کو بے جا طعن و تشنیع، عیب بینی اور نکتہ چینی کا نشانہ نہ بنائیں۔ کسی کو کافر، مشرک، بدعتی اور گستاخ جیسے القاب سے نہ نوازیں بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں مثبت انداز سے اپنے مسلک کو بیان کریں۔ اپنے مسلک کی تعریف و تحسین میں جو چاہیں کہیں لیکن دوسروں کی تنقیص و تذلیل سے باز رہیں۔ اگر ہم نے اس طرز عمل کو اپنایا تو علمی استدلال اور عقیدے کی پختگی کی بنا پر جدوجہد

اللہ کی دوڑ میں صرف وہی مسلک زندہ رہے گا جو قوی اور مضبوط ہوگا اور دوسرا از خود اپنے فطری انجام سے دوچار ہو جائے گا۔ اس طرح صحیح مسابقت (COMPETITION) کی فضا پیدا ہوگی اور حوالہ منافرت سے پاک ہو کر ملی اتحاد کا پیش خیمہ بن جائے گا۔

ایک اہم غور طلب پہلو

بہ نظر غائر تاریخ کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ سائے مسلکی اختلافات جن پر آج ایک دوسرے کو گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے برصغیر کی تاریخ میں گزشتہ ۱۰۰ سال سے زیادہ پرانے نہیں۔ اس دور سے پہلے کے سب بزرگ مثلاً: حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، شیخ احمد ملاحیون اہل بھٹوی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ وغیرہم، جن کی علمی وجاہت کے سامنے ہم سب کی نگاہیں فرط عقیدت جھک جاتی ہیں اور جو ہمارے نزدیک مسلمہ طور پر محترم ہیں۔ ان کے اسلوب زندگی اور طریق تبلیغ سے کھلم کھلا انحراف چہ معنی وارد؟

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ایسی نامور دینی شخصیات اختلافی دور میں بھی پیدا ہوئیں ہیں جنہوں نے ہر مکتب فکر کے افراد کے دلوں میں متنازعہ فیہ مسائل کی گھتیاں سلجھانے کے لئے کتابیں لکھیں۔ فارمولے وضع کئے (کم از کم مسلک اہل سنت کے دعویداروں میں ان کے بے قدر و منزلت کا مقام پایا جائے) انکی تصانیف آج بھی راہنمائی کے لئے موجود ہیں کوئی چاہے تو مقصد اتحاد کے لئے ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ دین

کے معاملہ میں پیٹ کو ترجیح نہ دی جائے۔ ذاتی اور گروہی مفاد جاہ پسندی اور منفعت اندوزی کے مقابلے میں دین کی عزت و ناموس اور حمت کو مقدم جانا جائے۔

مزید یہ کہ اُمت مسلمہ کے موجودہ انتشار و افتراق کو اتحاد و یک جہتی میں بدلنے کے لئے ٹھوس بنیادوں پر واضح کر دہ ایک متفقہ ضابطہ اخلاق کا نفاذ (ENFORCEMENT) بھی اشد ضروری ہے۔

حکومت کے لیے غور طلب مسئلہ۔

اس ضمن میں جو مسئلہ حکومت کے لئے انتہائی غور طلب ہے اس

کے دو پہلو ہیں داخلی اور خارجی۔
حکومت کے اندر بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر
۱۔ داخلی پہلو اور سوخ رکھنے والے کئی ایسے افراد ہمیشہ سے

موجود رہے ہیں جو بڑے معصومانہ انداز میں سجاہل عارفانہ کے مرتکب ہوتے ہوئے فرقہ پرستی کو ہوا دیتے رہتے ہیں۔ سرکاری سطح پر ترتیب دیتے جانے والے مختلف النوع دینی وفود، نصابات تعلیم کو ترتیب دینے والی کمیٹیاں، مساجد و اوقاف، مدارس اور دیگر سرکاری محاکم، کے لئے علماء اساتذہ اور خطباء وغیرہ کی تقرریاں، اور دیگر بیسیوں معاملات ایسے ہیں جن کے فیصلے نجلی سرکاری سطحوں پر ہوتے ہیں اور ان کی تفصیلات حکام بالا کو براہ راست معلوم نہیں ہوتیں۔ ان معاملات میں ہمیشہ کچھ فتنہ پرور ہاتھ بیکطرفہ کاروائیوں میں ملوث رہتے ہیں اس طرح جانبدارانہ سرکاری فیصلوں کے نتیجے میں دوسرے مسالک اور مکاتب فکر میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہی اضطراب فرقہ وارانہ کشیدگی کو ہوا دینے کا بنیادی سبب بنتا ہے۔ لہذا حکومت کی سیاسی

ذمہ داری ہے کہ وہ ان معاملات میں چشمِ بصیرت کھولے رکھے اور ایسے
انسداد کی دسترس سے سرکاری معاملات کو ہمیشہ بالا رکھے۔

۲۔ خارجی پہلو | اس مسئلے کا خارجی پہلو یہ ہے۔ ملک کے
بعض مذہبی طبقے اور جماعتیں، تبلیغ و اشاعتِ دین

کے نام پر بعض بیرونی ممالک سے بے پناہ سرمایہ حاصل کرتی ہیں اس
طرح مخصوص زاویہ نگاہ رکھتے والے بیرونی ممالک اپنے سرمایے کے
ذریعے 'اسلام' کے نام پر پاکستان میں فرقہ وارانہ ماحول کو تقویت
پہنچانے کا سید بن رہے ہیں۔ جب حکومت کی عدم مداخلت کی بنا
پر بعض مخصوص طبقے، فرقے، تنظیمیں اور مسلک بیرونی سرمایے سے روز
بروز، سیاسی، تنظیمی، فراوی اور نیم فوجی، قوت بڑھاتے چلے جاتیں
اور وقتاً فوقتاً اس کا مظاہرہ بھی ہوتا رہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس
مخصوص تعلق کے نتیجے میں دیگر طبقات کو اندرون ملک اور بیرون
ملک ہر سطح پر نقصان پہنچایا جائے گا۔ یہی وہ ذرائع اور وسائط ہیں
جن کی بنا پر مسلمانوں کے مابین وحدت و یگانگت پیدا کرنے کی کوئی
کوشش بھی کارگر ثابت نہیں ہو رہی۔

لہذا یہ حکومت کی انتہائی بنیادی اور نازک ذمہ داری ہے کہ تمام
طبقات کے لئے کسی بھی نام پر بیرونی سرمایے کا حصول نہ صرف ممنوع
اور غیر قانونی قرار دے بلکہ اس کا حصول عملاً ناممکن بنائے اور متعلقہ
حکومتوں سے درخواست کرے کہ اگر وہ خدمتِ دین کے لئے پاکستان
میں سرمایہ کاری کرنا چاہتی ہیں تو بجائے نجی اداروں اور تنظیموں کے خود
حکومت کو سرمایہ فراہم کریں تاکہ اسے مستحانہ اور پائیدار طریق پر تقسیم کیا جاسکے ہم سمجھتے
ہیں کہ اگر حکومت اس مسئلے کے داخلی اور خارجی دونوں پہلوں پر بھرپور توجہ دے تو کافی حد
تک حالات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

و عنبر و یا اولی الابرار

اسلام کے علمی عملی روحانی اور انقلابی پہلوؤں پر مشتمل

پروفیسر ڈاکٹر محمد حطاب القادری کی چند معرکہ الارار

خطبات
سیرت النبی
درہ سبس
تصوف زیر
ترتیب تدوین

تفسیر
منہاج
القرآن
زیر تالیف

تطانیف

- ۲۱ اسلام اور سائنس
- ۲۲ تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب
- ۲۳ حکمت استعاذہ تفسیر (عوذ بالذین الشیطان الرجیم)
- ۲۴ فلسفہ تسمیہ تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم
- ۲۵ معارف اہم اللہ
- ۲۶ صفت رحمت کا شان امتیاز
- ۲۷ عصبر حاضر اور فلسفہ اجتہاد
- ۲۸ حصول مقصد کی جدوجہد اور نتیجہ خیزی
- ۲۹ پیغمبرانہ جدوجہد اور اس کے نتائج
- ۳۰ سترائی فلسفہ تبلیغ
- ۳۱ فطرت کا قرآنی تصور
- ۳۲ پیغمبر انقلاب اور صحیفہ انقلاب
- ۳۳ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم (وقت کی اہم ضرورت)
- ۳۴ علم - توحیدی یا تخلیقی
- ۳۵ دینی اور لادینی علوم کے اصلاح طلب پہلو
- ۳۶ مغربی اور اسلامی تصور قانون کا تقابلی جائزہ
- ۳۷ قرآنی فلسفہ عروج و زوال
- ۳۸ نص اور تعبیر نص
- ۳۹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مصلح سیارست
- ۴۰ مسلمان اور سماج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

- ۱ تسمیہ استعآن تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم
- ۲ سورۃ فاتحہ اور تعمیری شخصیت
- ۳ اسلامی فلسفہ زندگی
- ۴ اجزائے ایمان حصہ اول
- ۵ اجزائے ایمان حصہ دوم
- ۶ اجزائے ایمان مکمل مجلد
- ۷ ایمان اور اسلام
- ۸ فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟
- ۹ مناہج العرفان فی لفظ العتقان
- ۱۰ بلاستور بنکاری (عبوری خاکہ)
- ۱۱ منافقت اور اس کی علامات
- ۱۲ سیاسی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل
- ۱۳ معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل
- ۱۴ اجتہاد اور اس کا دائرہ کار
- ۱۵ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور فلسفہ خودی
- ۱۶ تاریخ فقہ میں ہدایہ و صاحب ہدایہ کا مقام
- ۱۷ معارف اہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم
- ۱۸ شہادت توحید
- ۱۹ اسلام اور طلبت جدید
- ۲۰ اقبال اور تصور عشق

- ۴۱ - Islam in Various Perspectives
- ۴۲ - Quranic Concept of Human Guidance
- ۴۳ - Islam and Freedom of Human Will
- ۴۴ - Islamic Concept of Human Nature
- ۴۵ - Quranic Basis of Constitutional Theory
- ۴۶ - Philosophy of Ijtihad and The Modern World
- ۴۷ - Islamic Concept of Crime
- ۴۸ - Islam-The State Religion
- ۴۹ - Islamic Philosophy of Punishments
- ۵۰ - Islamic Concept of Law
- ۵۱ - Divine Pleasure (The Ultimate Ideal)

- ۵۲ - Islamic Philosophy of Human Life
- ۵۳ - Islam and Christianity
- ۵۴ - Islam and Modern Medicine
- ۵۵ - Finality of the Prophethood
- ۵۶ - What Islam is
- ۵۷ - Islamic Concept of Benevolence
- ۵۸ - Islam & Criminality
- ۵۹ - Legal Character Of Islamic Punishments
- ۶۰ - Classification Of Islamic Punishments
- ۶۱ - Legal Structure Of Islamic Punishments

اسلام کے علمی و عقلی و قانونی اور اخلاقی و روحانی موضوعات پر پروفیسر صاحب کے تقریباً ۳۰۰ مسودات ترتیب و تدوین یا طباعت کے مراحل میں ہیں۔ طے کا پتہ اضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور، فون: ۶۳۴۶۳ - ای پوسٹ - شاہراہ قائد اعظم بالمقابل ہائی کورٹ لاہور، فون: ۵۲-۹۶، المالک پلازہ ۵/۶ نزد جہانگیر پارک ایپرس مارکیٹ کراچی، فون: ۳۳۸۲۸۷